بس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو

مجلس ذکر

حصہ دوئم

از افادات

شیخ طریقت حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ

بانی و امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

شعبہ نشر و اشاعت

انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

فہرست مضامین

نمبر	مضامین	صفحہ
۱	تقویٰ اور زہد میں فرق	۵
۲	طیّب اور خبیث	۱۳
۳	عالمِ وحدت اور عالمِ کثرت	۲۷
۴	اصلاحِ قال سے زیادہ اصلاحِ حال کی ضرورت ہے	۳۷
۵	عقل۔ قلب۔ جوارح	۴۹
۶	عزّت	۵۸
۷	نیکوں کی دوستی	۷۱
۸	محبّت	۸۱
۹	انسان کی روحانی تربیت	۹۲
۱۰	بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کی علامتیں	۱۰۱
۱۱	نورِ فطرت کی تکمیل	۱۱۳
۱۲	عقلمند کم پاگل زیادہ۔ بینا کم نابینا زیادہ۔ نفع والے کم نقصان والے زیادہ	۱۲۵
۱۳	مصائب میں خدا پرستوں کا مسلک	۱۳۶

ضروری عرضداشت

اللہ تعالیٰ نے جن اپنے بندوں کی خدمت بسلسلہ عالیہ ' قادریہ' راشدیہ' میرے ذمہ لگائی ہے۔ وہ جمعہ کی رات کو میرے پاس تشریف لاتے ہیں۔ انہیں بعد از نماز مغرب۔ سلسلہ عالیہ " قادریہ' راشدیہ' کے طریقہ پر ذکر جہر کراتا ہوں۔ اس لئے ان کی روحانی اصلاح کے پیش نظر کتاب و سنت کی روشنی میں کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں۔ یہ مجلس ذکر کہلاتی ہے۔ مجلس ذکر میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کہلوایا ہے۔ وہ افادہ عام کے لیے کتابی صورت میں مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ اور اس چیز کو مسلمانوں کی ہدایت اور میری نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین یا الٰہ العالمین)۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

۱۰ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ بمطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

تقویٰ اور زہد میں فرق

تقویٰ کا مصدر ہے۔ الوَقیٰ وَالوِقَایَۃ جس کے معنی فارسی میں نگہداشتن ' اور اردو میں اپنے آپ کو بچانا۔ تقویٰ ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے۔ کس چیز سے بچانا؟:- ہر اس چیز سے اپنے آپ کو بچانا۔ جو تعلق باللہ میں خلل انداز ہو۔ یہ ہے تقویٰ۔ اس میں ساری منہی عنہ چیزیں آجاتی ہیں۔ مثلاً" زبان سے ایسے الفاظ نہ نکالنا۔ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔ یہ زبان کا تقویٰ ہے۔ آنکھ سے غیر محرم عورت کو نہ دیکھنا اور نہ ایسی جگہ جانا جس سے خدا ناراض ہو۔ یہ آنکھ کا تقویٰ ہے۔ قدم اٹھا کر ایسی جگہ نہ جانا جس سے خدا ناراض ہو یہ پاؤں کا تقویٰ ہے۔ مثلاً" سینما گھر وغیرہ۔' ریشمی کپڑا نہ پہننا یہ لباس کا تقویٰ ہے۔ لباس کی ایسی وضع سے بچنا جو ممنوع ہے۔ مثلاً" ٹخنہ سے نیچے پتلون ' شلوار یا تہبند

باندھنا۔ تقویٰ ہر مرد و زن کے لئے لازمی ہے۔

زہد خاص ہے اور تقویٰ عام ہے۔ زہد کے دو درجے ہیں۔ ایک وہ زاہد ہے جو مباحات میں اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ مثلاً" ایک شخص تین کی بجائے ایک روٹی کھاتا ہے۔ تاکہ تہجد کے لئے اٹھ سکے۔ یہ شخص اللہ کی رضا کے لئے مباحات میں تقلیل کرتا ہے۔ دوسرے شخص کو اللہ نے توفیق دی ہے کہ نفیس اور قیمتی کپڑا پہنے۔ ریشم نہ ہو اور ٹخنہ سے نیچے نہ ہو۔ اگر توفیق ہو تو سو روپیہ گز کا کپڑا پہن سکتے ہیں۔ اسلام اس سے منع نہیں کرتا بشرطیکہ آمدنی حلال کی ہو۔ لیکن وہ کھدر پہنتا ہے۔ یہ بھی مباحات میں تقلیل ہے۔

زہد کا دوسرا درجہ خاص ہے۔ وہ یہ ہے کہ حلال حرام کی تمیز ہو اور پھر انسان منہی عنہ سے بچے۔ میں ہمیشہ عرض کرتا ہوں۔ کہ اللہ والوں کے جوتوں کے تلے کی خاک کے ذروں میں جو موتی ملتے ہیں۔ وہ بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے" ان میں سے ایک موتی یہ ہے کہ حلال حرام کی تمیز ہو جاتی ہے۔ اور یہ اللہ کے پاک نام کی برکت ہے۔ باطن کی بینائی سے حلال حرام کی تمیز ہوتی ہے۔ عام مسلمان اس

قسم کے زہد کے مُکلّف نہیں

کابل میں ایک مجذوب تھے لوگ پھلوں کے ٹوکرے لئے ان کے دروازہ پر کھڑے رہتے۔ کہ وہ باہر نکلیں تو پیش کریں۔ وہ جب نکلتے تو فرماتے۔ "ببرید پیش سگاں باندازید" (لے جاؤ کتوں کے آگے ڈال دو)۔ اس قسم کے کاملین کو پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام۔ یہ حضرات باطن کی بنا پر مباحات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ موتی ملنے ارزاں مگر اس قسم کے کامل ملنے اس سے بھی گراں ہیں۔

پھر ہر کامل سے ہر طالب فیض نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے لئے عقیدت ادب اور اطاعت کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر ساری عمر ان کی صحبت میں رہ کر بھی دنیا سے محروم جانے والے ان گنہگار آنکھوں نے دیکھے ہیں۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اس قسم کے کامل حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ ان کی زبان کو لذیذ چیزوں سے لذت حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ عبادت میں خلل پڑنے کے باعث وہ ان سے

پرہیز کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ بہت بڑے اولیاء کرام میں سے تھے۔ انہوں نے بادشاہت چھوڑ کر اللہ کے دروازے کی غلامی قبول کر لی تھی۔ مکہ معظمہ میں قیام تھا۔ جنگل سے لکڑیاں لاتے اور بازار میں فروخت کرتے وقت یہ آواز لگایا کرتے تھے۔

"مَنْ یَّشْتَرِی الطَّیِّبَ بِالطَّیِّبِ" (کون ہے جو حلال مال سے حلال مال کو خریدتا ہے)

ایک دفعہ انہوں نے بازار سے کچھ کھجوریں خریدیں۔ ان کو کھانے کے بعد ذکر کی لذت سلب ہو گئی۔ اللہ سے کنکشن ٹوٹ گیا۔ بہت پریشانی ہوئی۔ اللہ کی بارگاہ میں گریہ زاری کی ۔ تو القاء ہوا کہ فلاں دن جو کھجوریں تم نے خریدی تھیں۔ کچھ کھجوریں دکاندار کی تھیں۔ تمہاری نہ تھیں۔ کہتے ہیں کہ دکاندار نے جب کھجوریں.........تول کر ان کو دیں تو دو کھجوریں پلڑے سے نیچے گر پڑیں۔ انہوں نے سمجھا کہ میری ہیں ۔ دراصل وہ دکاندار کی تھیں۔ ان کو کھانے سے اللہ ناراض ہو گیا اور لذت سلب ہو گئی۔

حالانکہ قانون یہ ہے کہ "میری امت سے خطا و نسیان

اٹھا لئے گئے ہیں۔" (حدیث) مثلاً" روزہ تھا یاد نہ رہا۔ اگر اس صورت میں کسی نے پانی پی لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ یہ ہے خطا۔ رمضان میں ایک شخص وضو کر رہا تھا بھول کر حلق کے اندر پانی چلا گیا یہ نسیان ہے۔ اس قسم کے زاہد بھی مباحات سے بچتے ہیں۔

یہ باطن کی بینائی کے باعث ان سے بچتے ہیں۔ بعض بے سمجھ کہہ دیتے ہیں کہ "تصوف بدعت ہے"۔ یہ لوح محفوظ سے آیا ہے۔ اس کی بڑی برکتیں ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

سفر واقعی تکلیف دہ چیز ہے۔ عربی کا مقولہ ہے۔ "اَلسَّفَرُ سَقَرٌ وَلَوْ كَانَ مِيلاً" (ترجمہ) سفر دوزخ کا نمونہ ہے۔ اگرچہ ایک میل ہی ہو۔

لیکن اگر خدا کی راہ میں ہو تو ایک ایک قدم پر نیکی عطا ہوتی ہے۔ پنجاب کی طرح میرے احباب سندھ میں بھی ہیں۔ ان کے مجبور کرنے پر میں ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء کی صبح کو پاکستان میل سے سندھ جا رہا ہوں۔ انشاء اللہ العزیز ۱۲ نومبر کو واپس آ جاؤں گا۔ اس دوران میں دو جمعراتیں آئیں گی۔

یہ مسجد آپ کا مرکز ہے۔ میرے باہر جانے کے بعد مقامی حضرات کو چاہیئے کہ مرکز کو اسی طرح آباد رکھیں۔ اگر گھر کا بڑا سفر پر چلا جائے۔ یا مر جائے تو کیا باقی گھر والے گھر چھوڑ جاتے ہیں؟۔ نہیں ہرگز نہیں۔ پہلے اسی مسجد میں اگر کوئی اہل حدیث "آمین بالجہر" کہتا تھا تو حنفی اس سے لڑتے تھے۔ شب برات پر یہاں چراغاں ہوتا تھا۔ میں سب کچھ دیکھتا اور خاموش رہتا تھا۔ میں دل میں دعا کرتا رہتا تھا۔ اور اللہ سے کہتا تھا کہ "اے اللہ تیرا قرآن خود بخود راستہ بنا لے گا۔"

اسلام کا منبع ہے۔ قرآن۔ قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تابعین رحمھم اللہ اور تابعین رحمھم اللہ سے تبع تابعین رحمھم اللہ نے لیا۔ اسلام کا علمی منبع قرآن اور علمی نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس کی اشاعت میں مفسرین محدثین علمائے کرام اور صوفیائے عظام سب نے حصہ لیا۔ چاروں آئمہ کرام رحمھم اللہ حق پر ہیں۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ "ہر صدی میں ایک مجدد آئے گا۔"

اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل

فرمائے۔ (آمین)

۳۹ سال سے میں اسی اسلام کی دعوت دے رہا ہوں۔ دہلی میں میرے استاد حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ "میں اپنی زندگی اشاعت قرآن کے لئے وقف کر دوں۔"

الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عہد پر قائم رہنے اور اس کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائی۔ دہلی میں انہوں نے پانچ علماء اور پانچ گریجویٹوں کو قرآن پڑھایا تھا۔ ان پانچ علماء میں ایک میں تھا۔

انگریز مجھے دہلی سے ہتھکڑی لگا کر لایا تھا۔ اس نے مجھے مجبور کر کے لاہور رکھا۔ اگر میرا اپنا اختیار ہوتا تو میں دہلی یا سندھ جاتا۔ لاہور کبھی نہ رہتا۔ انگریز شاید یہ سمجھتا تھا کہ اس کا لاہور میں کوئی حامی و مدد گار نہیں۔ اور یہ لاہور کی گلیوں میں پھر کر مر جائے گا۔ اس کو کیا معلوم تھا کہ میرے سینہ میں قرآن ہے۔ قرآن اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ آج میں آپ سے خانہ خدا میں عہد لینا چاہتا ہوں کہ "آپ مرتے دم تک اسی محمدی اسلام کی خدمت کرتے رہیں گے۔ اور اس کو زندہ

رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں گے۔ اسی کی طرف میں آپ کو بلاتا رہا ہوں۔ جو علمی طور پر خدمت کر سکتے ہیں وہ درس قرآن دیں۔

مجھے استاد مولانا سندھی رحمہ اللہ ملے اور شیخ امروٹی رحمہُ اللہ ان حضرات کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اشاعت قرآن کی توفیق دی۔ میں ہزاروں کو قرآن پڑھا چکا ہوں۔ ان کے علاوہ ایک ہزار سے زائد عالم درج رجسٹر ہیں۔

پہلے اس مسجد میں دن کو گیڈر جوتیاں اٹھا کر لے جاتے تھے۔ ایک یہ گناہگار بندہ آ کر بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہیں منگل بنا دیا۔ بڑے بڑے باد مخالف کے جھونکے آئے اور گزر گئے۔

آخر میں، میں آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں۔ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو مرکز عطا کر رکھا ہے اس سے وابستگی کو اپنے لیے لازم سمجھئے

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

یکم ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۷ نومبر ۱۹۵۵ء

طیّب اور خبیث

میں ہمیشہ آپ سے عرض کیا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جس سے چاہے کام لے لے۔ اس نے اپنے بندوں کی رہنمائی اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اس کے لئے جس کو چاہے ذریعہ بنائے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں مربیوں کی صحبت نصیب فرمائی۔ ان کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی کہ میں اپنے آپ کو آپ میں سے کسی سے افضل نہیں سمجھتا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ کے باعث مجھ سے یہ نعمت چھین نہ لے۔ عجب، کبر، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محبوب نہیں ہیں۔ یہ نعمت اللہ والوں کے ہاں سے ہی ملتی ہے۔ دوسری کسی جگہ سے نہیں ملتی۔ عطر، عطر فروش کی دکان سے ہی ملے گا۔ بزاز کے ہاں سے نہیں ملے گا۔ ہم اللہ کے دروازے پر کچھ لینے آتے ہیں۔ یہاں جو کچھ ملتا ہے وہ دوسری جگہ نہیں ملتا۔ یہ قبر میں بھی ساتھ جائے گا۔ یہاں ہدایت ملتی ہے۔ ہدایت نصیب ہو گئی تو یہ قبر میں بھی ساتھ

جائے گی۔ حشر میں بھی کام آئے گی۔ اس کے بعد جنت میں پہنچائیگی۔

صدقے میں تیرے ساقی مشکل آسان کر دے
ہستی مری مٹا دے خاک بے جان کر دے

ان سے عقیدت، ادب اور اطاعت ہو تو مدت مدید تک ان کی صحبت میں رہنے کے بعد یہ نعمت نصیب ہوتی ہے۔

میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہوں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور، نبی اکرم ﷺ کے امتی ہیں۔ میری حیثیت ایک پوسٹ مین کی سی ہے۔ منی آرڈر بھیجنے والے اور، وصول کرنے والے اور ہوتے ہیں۔ پوسٹ مین تو دونوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی طرف سے آپ کی رہنمائی کے لئے کچھ عرض کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی یہاں لاتے ہیں۔ اور وہی بولنے کی توفیق دیتے ہیں۔ میں کچھ پڑھ کر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں زبان سے کہلوا دیتے ہیں۔

آج میں.......... طیّب اور خبیث کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہر چیز یا طیّب ہوتی ہے یا خبیث۔ بعض

مال طیّب ہوتا ہے اور بعض خبیث۔ یہ اگر حلال ذریعہ سے آئے تو طیب۔ جیسے بیع و شریٰ میں مشتری بائع کو اپنی خوشی سے روپیہ دے کر چیز خرید تا ہے۔ ہبہ اور ہدیہ میں بھی خوشی کا دخل ہوتا ہے۔ حضرتؒ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ جنگل سے لکڑیاں لا کر مکہ معظمہ میں ان کو فروخت کرتے اور یہ فرمایا کرتے تھے۔

"مَنْ یَّشْتَرِی الطَّیِّبَ بِالطَّیِّبِ (کون ہے جو طیب مال کو طیب مال سے خرید تا ہے)

چوری' ڈاکہ' فریب' دھوکہ بازی' یہ حرام ذرائع ہیں۔ ان سے حاصل کیا ہوا مال خبیث ہوتا ہے۔ مال یہ ظاہر طیب ہوتا ہے۔ لیکن ذریعہ اس کو خبیث بنا دیتا ہے۔ ان ذرائع میں مالک کی خوشی شامل نہیں ہوتی۔ بعض اوقات بظاہر خوشی سے دیتا ہے۔ لیکن دل میں ناراض ہوتا ہے۔ جیسے رشوت میں مال پر اعمال کا ترتب ہوتا ہے۔ بعض اعمال خبیث اور بعض طیب۔ مال سے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر مال طیب ہو گا تو جذبات طیبہ پیدا ہونگے۔

جذبات طیبہ سے اعمال طیبہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے

خدا راضی ہو گا۔ خدا راضی ہو گا تو دنیا میں حیات طیبہ نصیب ہو گی ۔ اور مرنے کے بعد قبر بہشت کا باغ بن جائے گی۔ اگر مال خبیث ہو گا تو جذبات اور اعمال خبیث ہوں گے اس سے خدا ناراض ہو گا

خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ

ہر شخص ”خبیث“ چیز کو ناپسند کرتا ہے۔ خبیث عربی لفظ ہے اس کا اردو ترجمہ گندا ہے۔ مثلاً میٹھی چیز ہو۔ رات کو جس برتن میں رکھی تھی وہ ننگا پڑا رہا اور اس میں سے چوہے کھاتے رہے۔ فرض کرو برتن بھی گندا تھا۔ اور سورج نکلنے کے بعد اس پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ کوئی شریف آدمی ایسی باسی اور گندی چیز کو کھانا پسند نہیں کرتا۔ ہم ہر طیب چیز کو پسند کرتے ہیں۔ انسان ہو تو طیب۔ جس نے کبھی مسواک نہ کی ہو، اس کے منہ سے بو آتی ہو، اس کے کپڑے بھی گندے ہوں، اس کو کوئی بھی پسند نہ کرے گا۔

کیا اللہ تعالیٰ کو بندے گتھڑے چاہئیں ؟ کیا اس نے جنت خبیثوں کے لئے بنائی ہے۔ وہ تو بہت نازک مزاج محبوب ہے۔ ذرا سے بات پر ناراض ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا۔ آپ میں سے کچھ حضرات اس کا نام جانتے ہیں۔ میں آپ کو اس کا نام نہیں بتلاؤں گا۔ اس کا بیان ہے کہ میں اللہ اللہ کیا کرتا تھا۔ اس کی برکت سے میرے دل میں ایک چراغ روشن تھا۔ ایک دن میں پانی والے تالاب کی طرف سے آ رہا تھا۔ سنہری مسجد کے قریب ایک ہندو نوجوان لڑکی پر میری نظر کا پڑنا تھا کہ چراغ بجھ گیا۔ پھر آج تک روشن نہیں ہوا۔ وہ تو ایسا نازک مزاج محبوب ہے۔ کہ غیر پر نظر بھی پڑ جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ میلان طبع اپنے بس کی بات نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ انسان طبیعت کو برائی سے روک لے۔ جیسے منہ زور گھوڑا ہو وہ تو زور لگائے گا۔ مگر سوار اس کو روکے گا۔

اعمال طیبہ سے عامل مقبول بنتا ہے۔ اور اعمال خبیثہ سے عامل مردود ہو جاتا ہے

"اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا" بے شک اللہ پاک ہے۔ اور پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو انسان بھی طیب اور اعمال بھی طیب مقبول ہیں۔

سورۃ نور رکوع نمبر ۳ پارہ نمبر ۱۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (ترجمہ) "خبیث عورتیں خبیث مردوں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں۔

بعض عورتیں ایسی عفت ماب ہوتی ہیں۔ کہ وہ اپنے سایہ کو بھی غیر مرد سے چھپاتی ہیں۔ چنانچہ دہلی میں پرانے زمانہ کے شرفاء کے ہاں یہی تمدن تھا۔ کہ عورتیں ڈولی میں گھر سے باہر جاتی تھیں۔ کہار ڈولی کو ڈیوڑھی میں رکھ کر باہر چلے جاتے تھے۔ عورت جب اندر بیٹھ جاتی تو وہ اندر آتے۔ اور ڈولی اٹھاتے۔ جس گھر میں جانا ہوتا تھا وہاں بھی لے جا کر اسی طرح ڈیوڑھی میں رکھ کر باہر چلے جاتے تھے۔ تو عورت ڈولی سے نکل کر اندر چلی جاتی۔ اب تو جس نے ایمان بچانا ہو وہ آنکھیں نیچی کر لے۔ نوجوان لڑکیاں ہار سنگھار کر کے بے پردہ ہر جگہ لوگوں کے ایمان خراب کرتی پھر رہی ہیں۔

انسان کے جسم پر غذا کا اثر ہوتا ہے۔ کابل کا پٹھان چونکہ دنبے کھاتا ہے۔ دنبے میں چربی بہت ہوتی ہے۔ اس

لئے دنبے کھانے والا کابل کا پٹھان پوہ ماگھ کے مہینوں میں بھی اندر گرمی محسوس کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک پاکستانی ان ایام میں اندر بھی سردی سے ٹھٹھرتا ہو گا۔ اسی طرح مال میں بھی اثر ہے۔ اگر مال طیب ہو گا تو اس کا اثر بھی طیب ہو گا۔

حاجی مولا بخش صاحب ایک یونٹ بننے تک حکومت سندھ میں وزیر تھے۔ وہ اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے پہلے بھی وزیر رہ چکے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک نواب صاحب نے اپنا ایک نمائندہ میرے پاس بھیجا۔ اور اس نے مجھ سے آکر کہا کہ آپ نواب صاحب کا کام کر دیں۔ تو وہ آپ کی خدمت کر دیں گے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نواب صاحب کا کام کر دوں گا لیکن لوں گا کچھ نہیں" اس سے اس کی تسلی نہ ہوئی۔ اس نے پھر وہی کہا میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ جب اس نے کہا تو میں نے اس سے کہا کہ میں اپنی بیوی سے زنا نہیں کروانا چاہتا۔ جو لوگ رشوت لیتے ہیں ان کی بیویاں زنا کراتی ہیں۔ دیکھئے کہ مال خبیث انسان کو اعمال خبیثہ کی طرف لے جاتا ہے۔

ان کا ایک اور واقعہ ہے۔ کہ ایک دفعہ انؒ کی بیوی لاہور آئی تو انار کلی میں اس کا بٹوا کہیں گر گیا۔ بٹوے میں کچھ سونا اور نوٹ تھے۔ اس نے جب واپس جا کر واقعہ سنایا تو ان کے لڑکے کہنے لگے کہ ابا جی آپ تو کہا کرتے ہیں کہ "میری آمدنی حلال کی ہے" اس لئے کبھی ضائع نہیں جا سکتی" یہ بٹوا کیسے ضائع ہو گیا۔ حاجی مولا بخش صاحب کا بیان ہے کہ میں خاموش ہو رہا۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ چند دنوں کے بعد مولا بخش شکار پور کے پتہ پر ایک کارڈ آیا۔ پوسٹ مین وہ کارڈ ان کو دے گیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ ایک بٹوا ملا ہے وہ اگر آپ کا ہے تو اشیاء کی فہرست بتلا کر لے سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو فہرست بھیجی۔ تو سب کچھ جو بٹوے میں تھا مل گیا۔ اتفاقاً" اس میں ان کے نام کا چھپا ہوا کارڈ تھا۔ جس پر صرف ان کا نام اور شکار پور لکھا ہوا تھا۔ بٹوہ ایک ہندو وکیل کی لڑکی کو ملا۔ اس نے اپنے باپ کو دے دیا۔ اگر وہ چاہتے تو ہضم کر سکتے تھے۔

میں آپ سے ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں۔ کہ میرا ایمان ہے کہ گورنمنٹ کے ہر محکمہ میں اللہ کے نیک بندے موجود

ہیں۔ مگر طوطی نقار خانے میں کون سنتا ہے۔ ان کی تعداد بمشکل سو میں سے پانچ ہوگی۔

خبیث اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے مردود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت نہیں بنائی۔ وہ تو اس نے اپنے پاکیزہ بندوں کے لئے مہمان خانہ بنایا ہے

ایک ہی گھر میں بعض انسان طیب اور بعض خبیث ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں خبیثوں اور طیبوں کی مخلوط آبادی ہے۔ آگے چل کر تفریق کر دی جائے گی۔ سورۃ التحریم رکوع نمبر۲ پارہ نمبر۲۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوْحٍ وَ امْرَأَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں میں سے دو کے نکاح میں تھیں۔ پس ان دونوں نے (دین کے معاملہ میں) ان دونوں (نیک بندوں) کی

خیانت کی۔ پس وہ دونوں ان دونوں کو اللہ کے عذاب سے کچھ بھی نہ بچا سکے اور ان سے کہا گیا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی داخل ہو جاؤ۔ دونوں خاوند امام الطَّیِّبِین ہیں۔ اور ان کی بیویاں اِمَامَۃُ الْخَبِیثِین۔ لیکن میاں اور بیوی ایک ہی گھر میں رہتے رہے۔ آگے چل کر الْخَبِیثِین کی بستی میں کوئی خبیث نہ ہو گا۔ اور خَبِیثِین کی بستی میں کوئی طیب نہ ہو گا۔ اس قاعدہ کلیہ کی ایک استثناء ہے۔ بعض انسانوں کو جن کے اندر نور توحید ہو گا دوزخ میں علاج کے لئے کچھ عرصہ رکھا جائے گا۔ وہ گناہوں کی سزا بھگت کر نور توحید کی برکت سے دوزخ سے نکل آئیں گے۔ اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ جس طرح مریض کو ہسپتال میں رکھا جاتا ہے۔ ہسپتال کی طرح دوزخ میں بھی مختلف وارڈ ہوں گے۔ وہاں ان کی کھالیں جل جائیں گی۔ اور وہاں سے نکلنے کے بعد "نہر الحیوۃ" میں ڈالے جائیں گے۔ اور وہاں سے نکال کر بہشت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

بعض چیزیں بظاہر طیب' اور بعض باطن میں بھی طیب

ہوتی ہیں۔ اسی طرح بعض بظاہر خبیث، اور بظاہر طیب اور باطن میں خبیث ہوتی ہیں۔ جیسے بکری اور لیلہ، بظاہر طیب اور سئور اور کتا بظاہر خبیث ہیں۔ اس کے لئے ہر مسلمان مکلف ہے۔ کہ بظاہر طیب چیزوں کو استعمال کرے اور بظاہر خبیث چیزوں سے بچے۔ بکری اور لیلے کا گوشت کھائے اور سور اور کتے کا گوشت نہ کھائے

باطن میں طیب اور خبیث کی تمیز فقط اللہ والوں کو ہوتی ہے۔ اگر کسی طالب صادق کو شیخ کامل مل جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو جائے۔ تو یہ تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کتنے عرصہ کے بعد یہ تمیز پیدا ہو گی۔ بکری چوری کی ہو اور آپ قصاب سے پیسے دے کر اس کا گوشت لائیے۔ جن اللہ والوں کو یہ تمیز عطا شدہ ہے وہ بتلا دیں گے کہ یہ گوشت حرام ہے۔ باطن کی آنکھوں سے اس حرمت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کو "حرمت لغیرہ" کہتے ہیں۔ بکری اصل میں حلال تھی لیکن چوری نے اس کو حرام بنا دیا۔ کوئی بھی کلمہ گو مسلمان اس کا مکلّف نہیں لیکن اس کا اثر تو ضرور ہو گا۔ اگر کوئی شخص "سنکھیا" کو "کونین" سمجھ کر کھا

لے تو بے شک وہ خود کشی کا مجرم تو نہ ہو گا۔ لیکن سنکھیا اپنا اثر تو دکھائے گا۔ جن کو اللہ تعالیٰ باطن کی دید دیتا ہے۔ وہ باطن میں حرام اور مشتبہ چیزوں سے بھی بچتے ہیں۔ ان کو ان سے بو آتی ہے۔

کابل میں کسی زمانہ میں ایک مجذوب رہتا تھا۔ لوگ ان کے ہاں پھلوں کے ٹوکرے لے کر جاتے ہیں۔ یہ پھل بظاہر طیب لیکن حقیقت میں خبیث تھے۔ اس لئے وہ فرماتے "ببرید پیش سگاں اندازید"۔ آخر کسی سے تو لے کر کھاتے ہوں گے۔ خدا نے دید دے رکھی ہے کہ کون سی چیز کھانی ہے۔ اور کون سی نہیں کھانی۔ لیکن دانستہ حرام کھانے والے بھی موجود ہیں۔

میر سراج الدین صاحب رحمہ اللہ بہاول پور میں چیف جج تھے۔ انہوں نے مجھے ایک دفعہ بتلایا کہ میں نے ساری عمر سائیکل بھی نہیں رکھی۔ ہمارے ہاں معمولی ڈاکٹر اور وکیل موٹریں رکھتے ہیں۔ میر صاحب دورے پر جاتے تو نوکر کو حکم تھا کہ مجھ سے پیسے لے کر ہر چیز لا کر پکایا کرو۔ ایک دفعہ نوکر نے لکڑیوں کے پیسے نہ لیے تو اس سے پوچھا کہ لکڑی کہاں

سے آئی؟ اس نے بتلایا کہ جنگل میں پڑی ہوئی تھیں میں اٹھا لایا۔ میر صاحب نے اس دن دوسری جگہ جانا تھا وہاں نہیں گئے۔ آس پاس کے لوگوں سے دریافت کر کے مالک کو پہنچے دیئے تو آگے گئے۔ ان کی حلال کمائی کی برکت سے اللہ نے ان کو میر عبدالجمیل صاحب جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ وہ آج کل بہاول پور میں جج ہیں۔

ایک دن ان کو نواب صاحب نے بلایا تو جو کوٹ پہن کر گئے وہ پھٹا ہوا تھا۔ تو نواب صاحب بہت خفا ہوئے۔ تو عرض کی کہ اتنی تنخواہ ملتی ہے۔ اتنی اباجی کو دیتا ہوں اتنی بچتی ہے اس میں سے میں کوٹ بھی نہیں بنوا سکتا۔ یہ میرے پاس بہترین کوٹ ہے۔ ایک دفعہ نواب صاحب نے ایک ملزم کے متعلق سفارش لکھ بھیجی۔ ان کو بھی پتہ چل گیا جو سفارشی چٹھی لایا تھا اس کو باہر بٹھا کر ملزم کو سزا دے دی۔ اس کے بعد اس کو بلایا۔ نواب صاحب کو معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئے۔ ان سے عرض کی کہ میں نے تو انصاف کا تقاضا پورا کر کے اس کو جیل بھیج دیا ہے۔ آپ مالک ہیں اس کو رہا کر دیں۔ یہ جرات حلال چیزوں سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (ترجمہ میرا بندہ مجھ میں جیسا گمان کرے میں ویسا ہی ہوں۔)

چور سمجھتا ہے کہ چوری کروں گا تو رزق ملے گا۔ اس کو اسی ذریعہ سے دیتا ہے۔ دوسرا حلال کے ذریعہ سے لینا چاہتا ہے۔ اس کو اسی طرح دیتا ہے۔ رزق ماں کے پیٹ میں چوتھے مہینہ ہی لکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ نہ کوئی کھا سکتا ہے۔ اور نہ ایک دانہ چھوڑ کر مرے گا۔ اے مسلمان! تیرا تو یہ ایمان ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس مسلمان سیدھے راستے سے بہت دور ہٹ گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو مال خبیث سے بچائے اور مال طیب گھر میں لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ کے پاک نام کی برکت سے یہ تو توفیق ہو جاتی ہے۔ اللہ مجھے اور آپ کو اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قرآن ایک مشین ہے جس سے انسان کی زندگی کا کانٹا بدل جاتا ہے۔ کانٹا بدلنے والے اللہ والے ہوتے ہیں۔

۸ جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ بمطابق ۲۴ نومبر ۱۹۵۵ء

عالمِ وحدت اور عالمِ کثرت

عرض یہ ہے کہ فلسفہ شریعت پر بحث کرنے والے حکماء نے جہان کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ عالم ناسوت ۲۔ عالم ملکوت ۳۔ عالم جبروت ۴۔ عالم لاہوت

۱۔ عالم ناسوت: یہ جہان جس میں ہم رہتے ہیں۔ اس کو عالم ناسوت یا عالم مادیات کہتے ہیں۔ ۲۔ عالم ملکوت: جہاں ملائکہ عظام رہتے ہیں۔ اس کو عالم ملکوت کہتے ہیں۔ ۳۔ عالم جبروت۔ ۴۔ عالم لاہوت۔

آج میں عالم ناسوت اور عالم ملکوت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہم عالم ناسوت میں رہتے ہیں۔ اور یہاں عالم ملکوت سے آئے ہوئے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا"

ترجمہ: "(اے محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم") آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ ان سے فرما دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے (امر)

حکم) میں سے ہے۔ اور نہیں دیا گیا تم کو علم مگر تھوڑا۔"

روح عالم ملکوت سے آئی ہوئی ہے۔ میں ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں کہ حقیقت میں انسان روح کا نام ہے۔ اس گوشت ' پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے کا نام انسان نہیں ہے۔ جسم انسان کا لفافہ ہے۔ کھانا پینا سونا وغیرہ یہ لفافہ کی ضروریات ہیں۔ موت کے وقت یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ روح کو اللہ تعالیٰ نے اس ڈھانچہ میں لا کر قید کر دیا ہے۔ موت کا مطلب یہ ہے کہ روح کو اس قید سے آزاد کر دیا جائے۔ جیسے پرندے کو پنجرے سے آزاد کر دیا جائے تو وہ فوراً اڑ جاتا ہے۔

عالم ملکوت میں روح کا تعلق فقط اللہ تعالیٰ کی ذات سے تھا۔ اسی تعلق میں ہم مخمور اور مست تھے۔ وہاں نہ ہمارا کوئی باپ ' نہ ماں ' نہ بہن ' نہ بھائی تھا۔ یہاں ہمارے بے شمار تعلقات ہیں۔ ماں ' باپ ' بہن ' بھائی وغیرہ سب سے تعلق ہے۔ گویا کہ ہم عالم وحدت سے عالم کثرت میں آئے ہوئے ہیں۔ عالم وحدت میں فقط اللہ تعالیٰ سے تعلق تھا۔ عالم کثرت میں بظاہر سب سے تعلق ہو ' لیکن حقیقت میں فقط اللہ کی ذات سے تعلق رہے۔ یہی اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء ہے۔ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا

بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ میں اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ قلب سلیم (یعنی سالم دل) کا یہی مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہ ہو۔ یہی انسان کا امتحان ہے۔ اسی میں کامیابی انسان کا کمال ہے۔ عالم وحدت میں نہ سبزی' نہ گوشت' نہ پھل' نہ روٹی' نہ پانی اور نہ دوائی کی ضرورت تھی۔ نہ بیوی اور نہ اولاد سے تعلق تھا۔ یہاں سب چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور سب سے محبت ہے۔

یہی امتحان ہے کہ دل میں اللہ کے سوا کسی کی محبت نہ ہو۔ اذان میں اسی چیز کی یاد پانچ وقتہ تازہ کرائی جاتی ہے۔ اذان میں اول اور آخر اللہ اکبر کا یہی مطلب ہے۔ کہ ہمارا اس جہان میں آنے سے پہلے بھی فقط اللہ ہی سے تعلق تھا۔ اس جہان سے رخصت ہونے کے بعد بھی فقط اسی سے تعلق ہو گا۔ درمیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھ کر دروازہ الٰہی پر آنے کی دعوت ہے۔ یہی مسلمان کا پروگرام زندگی ہے۔ اور یہی اسلام کا خلاصہ ہے۔ اس کے بعد "حی علی الفلاح" میں بتلا دیا کہ نتیجہ فلاح (امتحان میں کامیابی) ہو گا۔

تحصیلدار ، نائب تحصیلدار ، قانونگو اور پٹواری کی ضرورت اس شخص کو پڑتی ہے جس کا تعلق ڈپٹی کمشنر سے نہ ہو۔ جس کا براہ راست ڈپٹی کمشنر سے تعلق ہو اس کو ان کے ہاں جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ڈپٹی کمشنر خود ہی ان سے کہہ کر کام کرا دے گا۔ اسی طرح جس کا کمشنر سے تعلق ہو۔ اس کو ڈپٹی کمشنر سے کہنے کی کیا ضرورت ہے ؟۔ وزیراعلیٰ کے ملنے والے کو کمشنر کا ممنون احسان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جس کا گورنر سے تعلق ہو گا وہ ان سب سے بے نیاز ہو گا۔ جس کا تعلق خدا سے ہو اس کو کسی چھوٹے کی کیا ضرورت ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ "نمازی نماز میں اپنے پروردگار سے "سرگوشی" کرتا ہے۔" (کَاَنَّمَا یُنَاجِیْ رَبَّہٗ) مناجات کے معنٰی سرگوشی ہے۔ مستورات اور بچوں کو بھی گھروں میں اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ یہ اذان اسلام کا خلاصہ ہے۔ ہر مرد و زن اور بچہ تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمھم اللہ سب اللہ تعالیٰ کے مرحوم و مغفور بندے ہیں۔ لیکن حاجت روائی کے

لئے ہم فقط اللہ تعالیٰ کا ہی دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ "اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ

(ترجمہ "جس نے اللہ کے لئے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے کسی سے دشمنی رکھی۔ اور اللہ کے لئے دیا اور اللہ کے لئے دینے سے ہاتھ روکا۔ پس تحقیق اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔")

تکمیل ایمان کے لئے حب و بغض عطا اور منع اللہ کے لئے مخصوص کرنے کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی تخلیق کا مقصد سمجھنے اور اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔ اس کے لئے صحبت کی ضرورت ہے۔ عربوں کی اسلام سے پہلے کیا حالت تھی؟۔ شراب' جواء وغیرہ سب اخلاقی برائیاں ان کے اندر پائی جاتی تھیں۔ شاذو نادر ہی یہ ان سے بچے ہوئے تھے۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خیرامت کا لقب عطا فرمایا۔ "کُنْتُمْ

خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ " یہ انقلاب کس طرح ان کے اندر آیا؟ قرآن کی تعلیم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت سے ہمارے پاس بھی وہی قرآن ہے۔ لیکن ہمارے ہاں وہ صحبت نہیں رہی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جو صحبت نصیب تھی وہ تابعین رحمہم اللہ کو نہ ملی۔ جو تابعین رحمہم اللہ کو حاصل ہوئی۔ تبع تابعین رحمہم اللہ اس سے بھی محروم ہو گئے۔ صحبت کی کمی ہوتی آ رہی ہے۔ بعض جدید تعلیم یافتہ دین کی ریسرچ کرتے ہیں۔ ان کو علم ہے وہ جانتے سب کچھ ہیں مگر صحبت نہ ہونے کے باعث۔

نہ صورت نہ سیرت نہ خال و خط

محبوب نامش نہادند غلط

اول تو صحبت ہی نہیں رہی۔ اگر مل جائے تو ہر شخص کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق نہیں ہوتی

صحبت سے ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے۔ کاشت کار تو زمین میں یکساں بیج ڈال دیتا ہے۔ لیکن زمین اپنی استعداد کے مطابق اس کو اگاتی ہے۔ بیج کہیں کم اور کہیں زیادہ اگتا ہے۔

حضرت امروٹی رحمہ اللہ کے خدام میں سے ایک شخص مولوی محمد شریف رحمہ اللہ تھے۔ وہ پست قد تھے۔ اور ڈاڑھی لمبی تھی۔ وہ حضرت حافظ محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی رہ چکے تھے۔ ایک دفعہ ان کے مکان میں آگ لگ گئی۔ لوگ مکان سے سامان باہر نکال کر رکھتے جائیں اور وہ اٹھا اٹھا کر اندر آگ میں ڈالتے جائیں اور فرماتے جائیں کہ جس نے دیا تھا جب وہی جلانا چاہتا ہے تو تمہیں اس کو بچانے کا کیا حق ہے۔ وہ حضرت امروٹی رحمہ اللہ کے عاشق تھے۔ ایک دفعہ راتوں رات مچھلی پکوا کر حضرت کے لئے لائے۔ جب کسی نے ان سے پوچھا کہ مولوی صاحب کس سواری پر آئے ہو۔ تو فرمانے لگے کہ عشق کے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہوں۔

ان کو سامان سے نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق تھا۔ اس لئے آگ میں اٹھا کر ڈالتے جاتے تھے۔ کہ شاید اللہ تعالیٰ اسی میں راضی ہے۔ دنیا دار کے گھر میں آگ لگ جائے تو آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا

اٰتٰکُمْ (سورۃ الحدید رکوع ۳ پارہ ۲۷) (ترجمہ: تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے۔ تم اس پر رنج نہ کرو۔ اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں)۔

اگر وہ چھین لے تو ان کو غم نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے بزرگ کا واقعہ ہے۔ ان کا نام خلیفہ محمد خان رحمہ اللہ تھا۔ رات کو ان کے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ ساری رات بیٹے کے سرہانے بیٹھے رہے۔ جو پوچھنے آتا اس سے فرما دیتے کہ "آرام آگیا ہے۔" صبح لوگوں کو انتقال کی اطلاع دی اور جنازہ کی تیاری کے لئے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو وحدت سے کثرت میں لا کر ڈال دیا ہے۔ اور چاہتے ہیں کہ یہاں بھی عالم وحدت کا ہی رنگ ہو۔ اس کے لئے صحبت کی ضرورت ہے۔

بلے میوہ ز میوہ رنگ گیرد

حقہ نوشوں کی صحبت میں آہستہ آہستہ حقہ کی عادت پڑ جاتی ہے۔ چلم بھر کر دینے اور حقہ چلانے سے کئی بچے حقہ پینے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح بھنگ نوشوں کی صحبت کا بھی اثر ہوتا ہے۔ اگر بری صحبت میں بیٹھ کر انسان بد ہو سکتا ہے تو

نیکوں کی صحبت میں اس کے اندر نیکی کا رنگ پیدا ہو گا۔
شجرہ طریقت اسی لئے ہوتا ہے۔ آپ کے شجرے میں ایک میں ہی گنہگار آ گیا ہوں۔ باقی مجھ سے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک سب اولیاء کرام ہی ہیں۔ اولیاء کرام کی صحبت میں رہ کر ہی یہ باتیں سیکھی اور سمجھی ہیں۔ گھوٹ کر کوئی نہیں پلاتا۔ طالب صادق کو کامل سے عشق ہوتا ہے۔ حضرت امروٹی رحمہ اللہ نے سکرات کی حالت میں فرمایا کہ میرا منہ ابا کی طرف کر دو۔ ابا سے ان کی مراد (شیخ حافظ محمد صدیق رحمہ اللہ) سے تھی۔ دین پور شریف اور امروٹ شریف میں اگر کسی شخص کا نام شیخ کا ہوتا تو اس کا نام نہ لیتے تھے۔ اس کو نالے ہٹھا یعنی "میٹھے نام والا" کہتے تھے۔
یہ شیخ کا ادب تھا۔ پہلے زمانہ میں ہمارا تمدن یہ تھا۔ کہ عورتیں خاوند کا نام نہ لیتی تھیں یہ ادب تھا۔ عقیدت، ادب اور اطاعت خدا کی نعمتیں ہیں۔ یہ ہوں تو کامل سے فیض حاصل ہوتا ہے ورنہ ۔

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

عقیدت ' ادب اور اطاعت کے لحاظ سے ہی خدام کے مراتب ہوتے ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ وحدت سے کثرت میں ڈال دیا جانا ہی ہمارا امتحان ہے۔ اور کثرت میں رہ کر بھی ہم نے وحدت والا تعلق اللہ سے قائم رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۵ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ بمطابق یکم دسمبر ۱۹۵۵ء

اصلاحِ قال سے زیادہ اصلاحِ حال کی ضرورت ہے۔

فریری آج کی تقریر کا عنوان ہے کہ اصلاح قال سے زیادہ اصلاح حال کی ضرورت ہے۔ بالفاظ دیگر صورت کی بجائے سیرت کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

(سورۃ المنافقون رکوع نمبر۱ پارہ نمبر۲۸) میں منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ

(ترجمہ) ”اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے جسم (شکل و صورت) آپ کو خوش نما معلوم ہوں۔ اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتوں کو (غور سے) سنیں، وہ ان لکڑیوں کی طرح ہیں جو دیوار کے، سہارے لگائی ہوئی ہیں“

منافقین کی ظاہری شکل و صورت بڑی سوہنی تھی۔ لیکن اگر اندر دیکھا جائے تو بالکل خالی نظر آتے تھے۔ کسی

دنیوی غرض کی بنا پر مسلمان ہو کر اسلام کا ساتھ دے رہے تھے۔ لیکن دل میں اسلام کی محبت نہیں تھی۔ منافقین صورت کے لحاظ سے پکے مسلمان ہوتے تھے۔ جب باتیں کرتے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کان لگا کر سنتے تھے۔ لیکن اندر اسلام کا کچھ بھی رنگ نہ چڑھا ہوا تھا۔ ان کی مثال خشک لکڑی کی سی ہے۔ جس کو دیوار کے ساتھ لگا دیا جائے تو کھڑی رہے گی ورنہ زمین پر گر پڑے گی۔ اندر ایمان کی روح نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہیں۔

اصلاح حال نہ ہو تو اصلاح قال سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی سن لیجئے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک شخص سامنے سے گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے عرض کی کہ معزز لوگوں میں سے ہے۔ کہ اگر رشتہ مانگے تو دے دیا جائے۔ کسی سے

سفارش کرے تو قبول کی جائے۔ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا شخص گزرا تو اس کے متعلق آپ کے دریافت فرمانے پر اس نے عرض کیا کہ یہ مِنْ فُقَرَآءِ الْمُسْلِمِیْنَ ہے۔ (یعنی مسلمانوں کے فقراء میں سے ہے) اگر یہ رشتہ مانگے تو کوئی دینے کو تیار نہ ہو گا۔ سفارش کرے تو قبول نہ ہو گی۔ بات کہے تو کوئی نہ سنے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ساری زمین پہلے شخص کی مانند لوگوں سے بھری ہوئی ہو تو یہ ایک شخص ان سب سے بہتر ہے۔

میں کہا کرتا ہوں کہ بعض اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں۔ جو پبلک پلیٹ فارم پر آکر اصلاح خلق اللہ کا کام نہیں کرتے۔ ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جذب کرتا ہے۔ وہ بظاہر اس طرح رہتے ہیں کہ دنیا دار ان کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہ کریں۔ لیکن وہ گدڑی میں لعل ہوتے ہیں۔ اگر اس قسم کے اللہ والے لاہور میں نہ ہوں تو کوئٹہ کی طرح لاہور ایک منٹ سے پہلے پہلے غرق ہو جائے ۔ چونکہ یہاں کوئٹہ سے زیادہ آبادی ہے اس لئے گناہ بھی زیادہ ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے

عذاب کو روکے رہتے ہیں۔ کفار مکہ کہتے تھے:۔
اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَامْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (ترجمہ) اگر یہ (قرآن ٹھیک تیری طرف سے ہے۔ تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔)

اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں ۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز عذاب نہ کرے گا۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں موجود ہیں۔

ہم آج اس دور میں سے گزر رہے ہیں۔ جس کی ہر بات الٹی ہے۔ اور جس کے متعلق بھگت کبیر نے کہا ہے:۔

رنگی کو نارنگی کہیں، دودھ کڑھے کو کھویا
چلتی ہوئی کو گاڑی کہیں دیکھ کبیرا رویا

ہماری اکثریت کی عقل ماری گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے بیج کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یہی وجہ ہے کہ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ اندھوں کا جہان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ "اندھے سارے بینا کوئی۔" آپ کہتے ہیں "

بینا سارے اور اندھا کوئی" فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ (ترجمہ) "پس بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ بلکہ سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

ہماری اکثریت چونکہ رشوت ' شراب ' زنا وغیرہ روحانی امراض کے باعث مسخ ہو چکی ہے۔ اس لئے ان پر ان باتوں کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ احمق ہیں۔ عقلمند وہ ہے جس کی نگاہ دور رس ہو۔ احمق نفع عاجل کو دیکھتا ہے۔ جیسے چور۔ اس نے حلوائی کی دکان سے رات کو مٹھائی کا تھال چرایا۔ صبح پولیس تفتیش کے لئے آئی اور کھوج لگا کر چور کو گرفتار کر لیا۔ مٹھائی تو ھضم ہو گئی مگر تھال پکڑا گیا۔

خبر دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

مقدمہ چلا اور دو سال کے لئے جیل میں بھیج دیا گیا۔ یہ حماقت ہے۔

دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں اور عقلاء کی ڈگریاں قبر سے ورے ورے کار آمد ہیں۔ اس کے بعد سب اندھے

ہیں۔ دل میں ایمان ہو اور قرآن کے نور کا سرمہ بنا کر آنکھوں میں ڈالا جائے تو نظر قبر و حشر بلکہ اس کے بعد جنت اور دوزخ پر ہو گی۔ پھر یقین ہوتا ہے کہ اگر گناہ کیا تو قبر جہنم کا گڑھا بن جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے سے دھکے ملیں گے۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ وَ نَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ

اللہ تعالیٰ بھی سچے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سچے۔ عقل فقط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرمبارک میں تھی جس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اطہر سے جتنا تعلق ہو گا اس کو اتنی ہی عقل ہو گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد عقل فقط اللہ والوں کی ہوتی ہے۔ تمہارے سلاطین امراء وزراء بیرسٹر ایٹ لاء سب احمق ہیں۔ بدمعاشیاں کرتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ چوروں اور ڈاکوؤں کی زندگی ہے۔ وارنٹ گرفتاری (یعنی موت) آیا تو سب شوخی اور شیخی کرکری ہو جائے گی۔ ان کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے کا غلام ہے۔ جس کی جوتی ٹوٹی ہوئی ہے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں وہ عقل مند ہے

پاگل پاگلوں کو پسند کرتے ہیں۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ کو کسی نجومی نے بتلایا کہ فلاں وقت ایک ہوا چلے گی جس کو وہ لگ جائے گی وہ پاگل ہو جائے گا بادشاہ نے جب اس سے پوچھا کہ اس سے بچنے کی بھی کوئی تدبیر ہے۔ نجومی نے جواب دیا کہ ہاں...... کسی تہ خانہ میں جو اس دن چھپ جائے گا وہ بچ جائے گا۔

جب وہ وقت آیا تو بادشاہ اور وزیر تہ خانہ میں چلے گئے۔ وہ دونوں بچ گئے۔ باقی سب رعایا پاگل ہو گئی۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور ننگے ہو کر ناچنے لگے۔ جب بادشاہ اور وزیر کو کپڑے پہنے ہوئے دیکھیں تو ان کا مذاق اڑائیں اور ان کو پاگل بتائیں۔ چند یوم کے بعد وہ دونوں تنگ آ گئے انہوں نے نجومی سے پھر دریافت کیا کہ اب کوئی ایسی تدبیر بتلاؤ کہ ہم بھی پاگل ہو جائیں۔ اس نے کہا کہ اس دن کا مٹکے میں بچا ہوا پانی ہو تو پی لیجئے چنانچہ انہوں نے پانی پیا اور پاگل ہو گئے۔ اب جب وہ ان کے ہم رنگ ہو کر پاگلوں میں گئے تو سب کہنے لگے بادشاہ سلامت آ گئے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

ہم میں سے جو پاگل ہیں وہ اپنے جیسے پاگلوں کو ہی پسند کرتے ہیں۔ وہ کسی عالم دین، حافظ قرآن یا اللہ کے نیک بندے کو کوئی عہدہ دینے کے لئے تیار نہیں۔

اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات میں پیش کر چکا ہوں۔ کہ قال سے زیادہ اصلاح حال ضروری ہے۔ اب اللہ والوں کے ارشادات بھی سن لیجئے۔

قال را بگزار و بنگر سوئے حال
براشہد تو خندہ زند اسہد بلالؓ

فرماتے ہیں قال کو چھوڑ کر حال کی فکر کرو۔ اگرچہ تو تلفظ کے لحاظ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کہتا ہے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشہد کی بجائے اسہد ہی کہتے تھے۔ لیکن توحید اور عشق نبوی علیہ الصلوۃ و السلام کی روح ان کے اندر زیادہ تھی اس لئے ان کا اسھد تیرے اشھد سے اچھا تھا۔

ایک دوسرے بزرگ کا ارشاد ہے۔

قال را بگذ ار مرد حال شو
پیش مرد کامل پامال شو

یعنی ”قال کو چھوڑ کر صاحب حال ہو جا۔ یہ تب ہو سکے گا۔

جب تو کسی کامل کے سامنے اپنی ہستی کو فنا کر کے بیٹھے گا۔" حال کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ:۱۔ خدا کی ذات ہی انسان کی مطلوب، محبوب اور مقصود ہو جائے۔ قران مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (ترجمہ) اور ایمان داروں کو اللہ سے شدید ترین محبت ہوتی ہے۔ اشد اسم تفضیل مذکر کا صیغہ ہے۔ اس سے آگے محبت کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کو ضروری سمجھا جائے۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کے درجہ کی محبت ہو۔

حدیث شریف عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ آپ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک

اس کے باپ بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(اشد کی طرح یہاں بھی احب اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ یہ اصلاح حال ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہر حال میں مطلوب، محبوب اور مقصود ہو جائے۔ ۳۔ آپس میں محبت اللہ واسطے ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

حدیث شریف عَنْ مَعَاذَ ابْنِ جَبَلٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ جَبَتْ مُحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ (رواہ مالک)

(ترجمہ) معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جبل فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ کہ اللہ فرماتا ہے کہ جو لوگ آپس میں میری رضامندی اور خوشنودی کے لئے محبت کرتے ہیں۔ ان سے مجھ کو محبت کرنا ضروری ہے۔ اور جو لوگ محض میری رضا کے لئے باہم بیٹھتے ہیں اور

میری تعریف کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان سے بھی مجھ کو محبت کرنا واجب ہے۔

اپنا امتحان خود لیا کیجئے۔ کہ بیوی پیاری ہے یا خدا، اولاد زیادہ محبوب ہے یا خدا، افسر کا ڈر زیادہ ہے یا خدا کا۔ اگر اصلاح حال ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی چیز کی بھی پروانہ ہو گی۔

اب اس آئینہ کو لے کر اسکولوں، کالجوں۔ دفاتر اور عدالتوں میں چلے جائیے۔ اور دیکھئے کہ مسلمان کی کیا حالت ہے۔ کوچ اور صوفہ سیٹ پیارے، بیوی پیاری، زنا اور شراب زیادہ پیارے ہیں۔ اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پرواہ ہی نہیں۔ اپنی یہ حالت ہے۔ اور ان کے نزدیک حاملین دین یعنی علمائے کرام بے ایمان ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ ان کو ہدات عطا فرما۔ ''آمین''۔ ہر چیز کی ایک منڈی ہوتی ہے ۔ ہدایت کی منڈیاں مساجد ہیں۔ یہ بد بخت مسجد میں آنے اور ٹوٹی چٹائیوں پر سر بسجود ہونے کو اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ اگر مسجد میں آنا ان کی کسر شان ہے۔ تو اللہ والوں کے

جوتے کی کسر شان ہے ان کی کوٹھیوں پر جانا۔ نعم الامیر علی باب الفقیر۔ بئس الفقیر علی باب الامیر۔ تمہیں ہدایت کوٹھیوں میں نصیب نہ ہو گی۔ دروازہ الٰہی پر آؤ گے تو ہدایت نصیب ہو گی۔ تمہاری دروازہ الٰہی پر آنے سے عزت بڑھے گی۔ اللہ والوں کی تمہاری کوٹھیوں پر جانے سے بے عزتی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اصلاح حال کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے "آمِینَ یَا اِلٰہَ الْعَالَمِینَ"!

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ بمطابق ۸ دسمبر ۱۹۵۵ء

عقل (دماغ) قلب (دل) جوارح (اعضاء)

اللہ تعالیٰ جو کچھ مجھ سے آپ کی خدمت میں کہلواتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یا الہ العالمین) میں جو کچھ عرض کیا کرتا ہوں اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے عرض کیا کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو صحیح علم آتا ہے وہ سب سے پہلے انسان کی عقل میں آتا ہے۔ علم الٰہی کا انسان کی عقل میں آنا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس سے انسان کی رہنمائی ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی اکثریت کو یہ نعمت نصیب نہیں۔ اکثریت بد قسمت ہیں۔ ان کی عقل ٹھوکریں کھاتی ہے۔ ان میں سے کسی کی زندگی کا مقصد ہے جائدادیں بنانا' کسی کا مقصد روپیہ جمع کرنا' کسی کا گریڈ بڑھانا' کسی کا زیادہ سے زیادہ رقبہ زمین پر قبضہ جمانا' کسی کا الیکشن لڑنا اور بڑا آدمی بننا۔ دن رات یہی فکر رہتی ہے کہ اس کے لئے کیا کریں؟۔ کس سے کہیں؟۔ اور

اس راستہ میں جو مشکلات ہیں ان کو کس طرح حل کیا جائے۔ شیطان نے سیدھے راستے سے ہٹا دیا ہے۔ مرنے کے بعد جب قبر میں جائیں گے تو آنکھیں کھلیں گی۔

دو نقطوں کے درمیان خط مستقیم ایک ہی ہوتا ہے۔ صراط مستقیم بھی ایک ہے جو ہمیں دروازہ محمدی ﷺ سے گزر کر سیدھا دربار الٰہی میں لے جاتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دعا سکھلائی گئی ہے۔ ٹیڑھے راستے بے شمار ہیں۔ روپیہ جمع کرنا الیکشن میں روپیہ برباد کرنا وغیرہ سب ٹیڑھے راستے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے علم کا مجموعہ "قرآن" ہے۔ یہی ہدایت کا راستہ ہے۔ اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا" فَاتَّبِعُوْہُ اکثریت کو اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ نہ مردوں کو اور نہ عورتوں کو۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو اس علم الٰہی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ڈاکٹر کسی مریض سے کہے کہ تیرا چہرہ بے رونق ہے۔ تیرے جسم میں خون نہیں ہے۔ تو یہ گالی نہیں بلکہ اس کی مریض پر شفقت ہے۔ میں اکثریت

کو بد قسمت غصہ سے نہیں کہتا۔ اس خیال سے کہہ رہا ہوں کہ شاید اس کو اللہ تعالیٰ سمجھ دے دیں اور یہ خوش قسمت ہو جائیں۔ اب تک ان کی عقل میں نہیں آیا کہ قرآن ضروری ہے۔ بیوی بیمار ہو تو اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔ وہ بے پردہ علیحدہ کمرہ میں اس کو دیکھتا ہے۔ بیماری کا احساس ہے تو سب کچھ برداشت کرتے ہیں۔ قرآن کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے اس کا علم حاصل نہیں کرتے۔

علم الٰہی پہلے عقل میں آتا ہے۔ پھر دل میں اترتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:-

حدیث شریف: اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (ترجمہ: بے شک (انسان کے) جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ خبردار اور وہ دل ہے)۔

دل ٹھیک ہے تو سب اعضا ٹھیک۔ دل بادشاہ ہے اور سب اعضا اس کی فوج ہیں۔ دل حاکم ہے سب اعضاء اس

کے تابع ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ (ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل رہتا ہے۔"

حدیث شریف میں آتا ہے کہ "انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ جدھر دل پھیرے گا سارے اعضاء ادھر ہی پھر جائیں گے۔

نمبر اول۔ بد قسمت وہ لوگ ہیں جن کی عقل میں قرآن نہیں آیا۔
نمبر دوم بد قسمت وہ لوگ ہیں جن کی عقل میں سب کچھ ہے لیکن قلب میں نہیں اترا۔ بی اے یا ایم اے تک عربی پڑھ چکے ہیں۔ ریسرچ کرنے اور ایک رسالہ لکھنے کے بعد یونیورسٹی ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر ہو گئے نوکر ہوئے تو بڑی بڑی تنخواہیں پانے لگے۔ یا بیرسٹر ہیں اور ہزاروں روپیہ ماہوار کماتے ہیں۔ لیکن ؎

نہ صورت نہ سیرت نہ خال و نہ خط

ربمحبوب نامش نہادند غلط

قبر میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کی کوئی قیمت نہیں ۔ نمبر اول۔ اللہ کا فضل یہ ہے کہ قرآن عقل میں آئے ۔ نمبر دوم فضل یہ ہے کہ دل میں آئے۔ نمبر سوم۔ فضل یہ ہے کہ اعضا میں بھی آئے۔ میں ہمیشہ آپ سے کہا کرتا ہوں کہ:۔

بلے میوہ زمیوہ رنگ گیرد

اس کے متعلق آج میں شہادت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی سلمہ اللہ تعالیٰ ' حضرت الیسع علیہ السلام کی تاریخ لکھتے ہوئے اپنی کتاب قصص القرآن جلد دوم صفحہ نمبر۱۳۱ ' ۱۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ اوائل عمر میں ان ہی کی رفاقت میں رہتے تھے۔ اور ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لئے حضرت الیسع علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور انہوں نے حضرت الیاس علیہ السلام کے طریقہ پر بنی اسرائیل کی رہنمائی فرمائی۔ چند سطور کے بعد حضرت مولانا فرماتے ہیں اور یہ چیز قابل غور ہے:۔

موعظت

بنی اسرائیل کے ان نبیوں اور پیغمبروں کے واقعات سے جو کہ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے شرف صحبت اور مخلصانہ اتباع میں خلافت کے بعد منصب نبوت سے سرفراز ہوئے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحبت نیکاں حصول خیر کے لئے اکسیر اعظم ہے۔ رومی رحمہ اللہ نے سچ کہا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اگر ریاضات اور طاعات کا سلسلہ ہزاروں سال بھی رہے۔ مگر کسی کامل کی صحبت سے محرومی ہو تو بلا شبہ یہ ایک بہت بڑی خامی ہے۔ جس کا مداوا صحبت کامل کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

اس لیے میں عرض کیا کرتا ہوں۔ کہ اگر ایک شخص اپنے طور پر کتنی ہی ریاضت کرے۔ مگر کامل کی صحبت اس کو نصیب نہیں تو زیادہ فائدہ نہ ہو گا۔ ایک شخص کامل سے کچھ سبق پوچھ جائے اور گھر جا کر اس کو خوب پکائے، پک جانے پر دو سال بعد پھر آئے تو اس کو وہ فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ جو اس

شخص کو حاصل ہو گا جس نے مدت مدید تک شیخ کی ہر نقل و حرکت کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد میں نے اپنے رسالہ "پیر اور مرید کے فرائض" میں نقل کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنے "القول الجمیل" میں فرماتے ہیں کہ پانچویں شرط مرشد کے لئے یہ ہے کہ مدت مدید بڑے بڑے کاملوں کی صحبت میں گزاری ہو۔ عرصہ دراز تک ان کی صحبت میں ادب سیکھا ہو۔ ان سے انوار حاصل کئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو تینوں درجے عطا فرمائے۔

قرآن عقل میں آجائے دل میں بھی اتر جائے اور اعضاء پر اثر ہو اس کے لئے صحبت کی ضرورت ہے۔ آپ درس قرآن میں آتے ہیں قرآن سنتے ہیں آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے سمجھ بھی دے دی اور عمل کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ جو نہیں آتے ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے دین کی بنیاد کتاب و سنت پر نہیں۔ بلکہ محض ڈھکو نسلوں پر ہے۔ کچھ سنی سنائی باتوں کو انہوں نے اسلام کا نام دے رکھا ہے۔

آپ کے گھروں اور برادری میں ایسے لوگ ملیں گے

جن کو کتاب و سنت کا صحیح علم ہی نہیں ہے۔ عقل میں دین ہے لیکن قلب میں نہیں اترا۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ دل تک دین الٰہی جس کا منبع قرآن اور عملی نمونہ سنت خیرالانام علیہ الصلوۃ والسلام کا رنگ پہنچا ہے۔ لیکن اعضاء میں نہیں آیا۔ عقل میں علم الٰہی آئے تو صحبت سے دل اور اعضاء میں اترتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتے ہیں۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ الخ

جن حضرات کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کو اللہ کی رضا ہی مطلوب، محبوب اور مقصود ہوتی ہے۔ حکم دیتے ہیں کہ ان سے نظر نہ ہٹنے پائے۔ اسی لئے میں آپ سے کہا کرتا ہوں کہ روٹی کمانے کے لئے جہاں آپ کا دل چاہے جائیے۔ دفتر ہو، دوکان ہو یا کارخانہ، لیکن شام کو فارغ ہو کر جب گھر آئیں تو بازار یا بیٹھک میں فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اگر کوئی اللہ اللہ کرنے والی جماعت ہو تو ان میں بیٹھئے۔ اگر ایسی جماعت نہ ملے تو کسی ایسے فرد کی صحبت میں خاموشی سے بیٹھئے۔ اگر کوئی فائدہ نہ ہو

گا تو نقصان سے تو بچ جائیں گے۔ اگر کوئی فرد بھی نہ ملے تو گھر میں تنہا بیٹھئے۔ فضول باتوں سے کیا فائدہ؟۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ بیٹھکوں میں DISCUSS کرتے ہیں۔ گویا کہ ان کی رائے سے ہی سیاست کی گتھی حل ہو گی۔

آپ کے بیوی بچے غلط راستے پر جا رہے ہیں۔ ان کو راستہ کی طرف راہنمائی کرنا آپ کے ذمہ فرض ہے۔ یا تو ان کو خود قرآن پڑھائیے۔ یا کسی عالم قرآن کو ان کے پاس لے جائیے۔ یا ان کو کسی عالم کے پاس لائیے۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ہدایت عطا فرمائے۔

(وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ)

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء

عزت

عرض یہ ہے کہ میں ہر جمعرات کو بطور سبق اپنے ان احباب کی خدمت میں خاص طور پر کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں۔ جن کا تعلق سلسلہ راشدیہ' قادریہ سے ہے۔ وہ حضرات وقت نکال کر دور دور سے تشریف لاتے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ ان کی اصلاح کے لئے کچھ عرض کروں۔ دوسرے احباب بھی تشریف لاتے ہیں

"چشم ماروشن دل ماشاد"

میرا دل تو چاہتا ہے کہ سب مسلمان آئیں۔ میں جو کچھ عرض کیا کرتا ہوں۔ کتاب و سنت کی روشنی میں عرض کیا کرتا ہوں۔ ان سے باہر نہیں جاتا۔ اگر سب مسلمان میری معروضات کو سنیں' دل میں جگہ دیں اور عمل میں لائیں' تو مجھے اللہ کے فضل و کرم سے پوری امید ہے کہ ان کی دنیا کی زندگی سنور جائے گی۔ مرنے کے بعد قبر بہشت کے باغوں میں سے باغ بن جائے گی۔ حشر کے دن حضرت نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

امیر ہو یا غریب۔ ہر شخص عزت کا خواہاں ہے۔ عزت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) کھری یا سچی عزت (اصلی) (۲) کھوٹی یا جھوٹی عزت (نقلی) اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (ترجمہ) ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں۔

کھری عزت وہ ہے جو بارگاہ الٰہی سے عطا ہو۔ جو عزت نیچے سے ملے وہ کھوٹی ہے کھری نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ منافقین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا" (سورۃ النساء رکوع نمبر ۲۰ پارہ نمبر ۵) (ترجمہ) "کیا وہ منافقین ان (کفار کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں۔ پس بے شک ساری عزت اللہ کے لئے ہے۔"

منافقین چاہتے تھے کہ یہود کے ساتھ دوستی رکھیں گے تو عزت پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تردید فرماتے ہیں۔ نبی اکرم رسول اللہ ہیں۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ناراض ' اس

سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہیں۔ یہود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھتے تھے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے بھی دشمن ہوئے۔ جو لوگ اللہ اور رسول اللہ کے ساتھ دشمنی رکھیں ان کو عزت کس طرح مل سکتی ہے۔ عزت ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ اسی کے ہاں سے مل سکتی ہے۔ دشمنان خدا کے ہاں سے ہرگز نہیں مل سکتی۔ سورۃ النساء رکوع نمبر ۲۱ پارہ نمبر ۵ میں منافقین کی حالت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:-

مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَا اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَا اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ ط

ترجمہ: وہ دونوں کے درمیان تذبذب میں ہیں - نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف (منافقین گو مگو حالت میں ہیں)

قولہ تعالیٰ: قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (سورۃ آل عمران رکوع ۳ پارہ ۳)

(ترجمہ) "تو کہہ اے اللہ تو سلطنت کا مالک ہے۔ تو جس کو

چاہے سلطنت دیتا ہے۔ اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ اور جس کو چاہے تو عزت دیتا ہے۔ اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہاتھ (قبضہ) میں ہے سب خوبی۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس آیت میں ہمیں یہ عقیدہ سکھایا گیا ہے کہ عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے حقیقت میں وہی عزت ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ آئے وہ صورت میں عزت ہو گی۔ لیکن حقیقت میں ذلت ہو گی۔ جو شخص محلّہ یا گاؤں یا بستی میں زور آور ہو یا مال و دولت کا مالک ہو اور ہر ایک پر بے جا تشدد اور ظلم کرے تو لوگ ایسے شخص کی عزت بھی کرتے ہیں۔ مگر یہ بناوٹی عزت ہو گی۔ دل میں نفرت ہو گی۔ ہر سرکاری عہدہ دار اور افسر کو لوگ سلام کرتے ہیں۔ کیا وہ دل میں اس کی عزت رکھ کر سلام کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ وہ سلام ایک منافقانہ اعزاز ہوتا ہے۔ بڑا زمیندار ہو یا سیٹھ سب میں یہی قدر مشترک ہو گی۔ ان کی عزت اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اس واسطے کھوٹی ہوتی ہے۔

عزت خدا کے ہاں سے کن کن کو نصیب ہوتی ہے؟۔

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورۃ منافقون رکوع ۱ پارہ ۱۸)

ترجمہ: وہ (منافقین کہتے ہیں اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو اس (مدینہ) میں سب سے معزز شخص سب سے ذلیل کو ضرور ضرور نکال دے گا۔ اور عزت اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اور مومنوں کے لئے ہے اور لیکن منافق نہیں جانتے۔

اس آیت میں منافقین کا ذکر ہے۔ ایک دفعہ مدینہ سے باہر کسی سفر کے موقعہ پر انصار اور مہاجرین میں تیز کلامی ہو گئی ۔ دو برتن بھی ہر وقت پاس رہیں تو کبھی نہ کبھی ٹکرا جاتے ہیں۔ وہاں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین بھی موجود تھا۔ وہ بے ایمان اپنے آپ کو سب سے معزز شخص کہتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سب سے ذلیل بناتا ہے۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَٰلِكَ

الکفرو الطغیان اس کی اس بے ہودہ گوئی کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا ملا؟ کہ:

عزت نمبر اول !اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ نمبر دوئم! رسول اللہ کے لئے اور نمبر سوئم مومنوں کے لئے ہے مومن دولت مند ہو یا غریب۔ ہر ایک کی اللہ کی بارگاہ میں عزت ہے۔ مومن کس کو کہتے ہیں؟ جو اللہ کی ہر بات دل سے مانتا ہے۔ خواہ دولت مند ہو یا غریب۔ سوکھے ٹکڑے کھانے والے' فرش زمین پر سونے والے' پھٹی ہوئی گودڑی اوڑھنے والے' چھپر کے نیچے سونے والے' کی جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ دل سے پڑھتا ہے اس کی بارگاہ الٰہی میں عزت ہے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو مخلوق اور اللہ کو اپنا خالق تسلیم کرتا ہے۔ وہ جلب نفع کے لئے اور دفع ضرر کے لئے خدا ہی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ وہ ماسوا اللہ سے کٹ کر ایک اللہ کا ہو جاتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اسی کو اپنا معبود اور حاجت روا مانتا ہے وہ مومن جس کی ظاہری اقتصادی حالت یہ ہے اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت ہے۔ لیکن اگر دل میں ایمان نہیں تو بادشاہ کی بھی اللہ کے ہاں کوئی عزت

نہیں۔ اسلام میں ""شہنشاہ"" کا لفظ اللہ کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ ہمارے ہاں بادشاہ کے لئے ""امیر المومنین"" یا ""خلیفہ المسلمین"" کا لقب ہے۔

بادشاہ مومن نہیں تو اس کے تاج پر خدا کی لعنت ہے۔ ایک غریب مومن کی گوڈری پر خدا کی رحمت ہے۔ اس کے محل پر خدا کی لعنت۔ اس کے چھپر پر رحمت۔ اس کے سونے کے پلنگ پر لنعت۔ اس کی چٹائی پر رحمت۔ جس سے خدا راضی ہوتا ہے اس پر اس کی رحمت ہوتی ہے۔ جس سے وہ ناراض ہو اس پر لعنت ہوتی ہے۔ اس کی رضا اور ناراضگی ایمان لور بے ایمانی پر مبنی ہوتی ہے۔ چونکہ اس کے اندر ایمان نہیں اس لئے اصل میں ملعون بادشاہ ہے۔ اس کی وجہ سے اس کے مرصع تاج اور دو کروڑ روپے کے محل پر لعنت ہے۔ غریب مومن چونکہ ایمان کی وجہ سے خود مرحوم ہے۔ اس لئے اس کی ہر چیز پر رحمت ہے۔

اگر کسی جگہ ڈیڑھ من ہینگ رکھ دی جائے تو اس کی بو وہاں ہر چیز میں ہو گی۔ اسی طرح بادشاہ کی ڈیڑھ من لاش پر چونکہ لعنت ہے اس لئے جس چیز کا اس سے تعلق ہو گا اس

میں لعنت کا اثر آئے گا۔ دولت ' زیور' کوٹھی' موٹر ہو یا نہ ہو۔ اگر اندر ایمان ہے تو اللہ کی رحمت اس پر نازل ہو گی۔ میں مدلل طریقہ سے ثابت کرچکا ہوں کہ غریب مومن مرحوم اور بے ایمان بادشاہ ملعون ہو گا۔ اس ملعون کی وجہ سے درودیوار پر بھی لعنت پڑتی ہے۔ ورنہ محل نے کیا بگاڑا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلدُّنیَا مَلعُونَۃٌ وَّ مَلعُونٌ مَّا فِیہَا اِلَّا ذِکرُ اللّٰہِ وَمَا وَالَاہُ (ترجمہ) دنیا اور اس کے اندر جو کچھ ہے۔ سب پر (خدا کی) لعنت ہے۔ مگر اللہ کا ذکر اور جس چیز کا اس ذکر سے تعلق ہے (وہ اس لعنت سے مستثنیٰ ہے)۔

اس حدیث شریف میں غور کرنے سے میری ساری معروضات سمجھ میں آ جائیں گی۔ صوفیاء کرام کی تربیت میں اسی لئے ذکر قلبی کی تلقین کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ذکر قلبی کا ذکر فرماتے ہیں۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا (ترجمہ) اور اس کی بات نہ مانئے۔ جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر رکھا ہے۔

اگر دل ذاکر ہے تو اس کا اثر اس کے اوپر' جو ہڈیاں' پسلیاں' گوشت اور پوست ہے ان پر بھی ہو گا۔ گوشت کے اوپر پیرہن' پیرہن کے اوپر صدری' صدری کے اوپر ہاف کوٹ' ہاف کوٹ کے اوپر اوور کوٹ' یہ چیزیں پہناوے میں شامل ہیں ۔ حالانکہ جسم پر صرف کرتا ہے۔ اسی طرح ادھر لیجئے سر پر چھت اور نیچے چارپائی' کھانے پینے کے برتن ہر چیز کا انسان کے ساتھ تعلق ہے۔ اگر انسان کا دل ذاکر ہے تو ہر چیز پر ذکر الٰہی کی وجہ سے رحمت نازل ہو گی۔ دل ذاکر ہو تو اللہ کے ہاں عزت ملتی ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ محل یا چھپر میں سوتا ہے۔ اگر دل ذاکر نہیں تو سب پر لعنت نازل ہو گی۔ جس کوٹھی میں خدا کا نام نہیں ہے اس میں رہنے والے اگر میاں صاحب بیگم صاحبہ اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی کلمہ نہیں آتا اور دل میں ایمان نہیں۔ تو اس کوٹھی اور اس کے اندر رہنے والے سب پر لعنت برستی ہو گی۔ لاہور میں ایسے بدقسمت سینکڑوں نہیں ہزاروں مسلمان ہیں۔ خدا نے گنگا رام اور خوشحال سنگھ کی طرح سب کچھ دے رکھا ہے۔ ان میں اور ایک ہندو یا سکھ میں کوئی فرق نہیں ۔ جب مریں گے تو

کوٹھی کو چین آجائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان بدقسمتوں کے متعلق ارشاد ہے:۔

يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ

(ترجمہ: اس سے راحت پائیں گے (اللہ کے) بندے اور شہر درخت اور حیوان۔)

میں آپ سے ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ انسان کو فقط خوف خدا انسان بناتا ہے۔ اگر انسان کے دل میں خوف خدا نہ ہو تو اس سے بڑھ کر کمینہ، بے حیا اور موذی درندہ خدا نے کوئی پیدا ہی نہیں کیا۔ شیر اپنے ہم جنس شیر کو نہیں پھاڑتا۔ مگر جب خوف خدا نہ ہو تو یہ موذی انسان دو ایٹم بم سے دو ڈھائی لاکھ انسانوں کو اڑا دیتا ہے۔

میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ امیر سے مت ڈریئے اس کو اپنی دولت، پارٹی اور ذاتی اثرو رسوخ پر ناز ہوتا ہے۔ وہ غیر کے دروازے پر جاتا ہے۔ وہ پولیس اور عدالت میں جائے گا۔ اس کا آپ مقابلہ کر سکیں گے۔ غریب سے زیادہ ڈرنا چاہیئے۔ اگر اس کو آپ نے ستایا تو وہ غیر کے دروازہ پر نہیں جائے گا

وہ بارگاہ الہٰی میں فریاد کرے گا۔ دو آنسو بہا کر خاموش ہو جائے گا۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درحق بہر استقبال می آید

اس کے دو آنسو ظالم کی بربادی کے لئے کافی ہیں۔ میرے پاس ایک دفعہ ایک پولیس انسپکٹر آیا۔ بڑا قوی ہیکل اور چھ فٹ قد کا تھا۔ سر فضل حسین، سر محمد شفیع اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تحریریں اس نے مجھے دکھائیں۔ کہ یہ واقعی امداد کا مستحق ہے۔ میں نے جب اس سے کہا کہ اس وقت دفتر بھی بند ہے اور کوئی بھی موجود نہیں۔ تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ دارالحفاظ کے بچوں سے ہی پیسہ پیسہ جمع کر کے مجھے دے دیجئے۔ دیکھا آپ نے کہ کسی غریب کی آہوں نے اس کو کہاں تک پہنچا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد کے متعلق عرض یہ ہے۔ کہ گلی کوچوں کو بھی احساس ہوتا ہے کہ کون نیک ہے اور کون بد ہے۔ زمین کو بھی احساس ہوتا ہے۔ دوسرا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کہ "نیک آدمی جب قبر

میں جاتا ہے تو زمین اس سے کہتی ہے کہ میری پیٹھ پر جتنے آدمی چلتے پھرتے تھے۔ تو مجھے زیادہ پیارا تھا۔ آج دیکھو میں تم سے کیا سلوک کرتی ہوں۔ اس کے بعد زمین حد بھر یعنی حد نگاہ تک کشادہ ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ زمین کو بھی احساس ہے۔

کوٹھی میں جو درخت ہے اس کو بھی محسوس ہوتا ہے کہ کوٹھی کے رہنے والے کی بے ایمانی اور بددیانتی کے باعث مجھ پر لعنت پڑ رہی ہے۔ وہ اکتا جاتا ہے کہ یہ میاں صاحب اور بیگم صاحبہ کب مرتے ہیں۔ دواب میں گھوڑا، بھینس سب آتے ہیں ۔ ان کو بھی احساس ہوتا ہے۔ کیا یہ ان کی عزت ہے کہ جب مرتے ہیں تو سب شکر کرتے ہیں۔ کیوں؟۔ زبان پر خدا کا نام نہیں، دل میں ایمان نہیں، اور اتباع شریعت نہیں۔ جو حال گنگا رام اور خوشحال سنگھ کا ہے۔ وہی محمد دین کا ہے۔ سب کے مرنے پر یہ چیزیں چین پائیں گی۔

حاصل یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عزت کا صحیح مفہوم سمجھنے اور اس کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یعنی پہلے ایمان دار بنائے ۔اور پھر کھری عزت عطا فرمائے

۔(آمین) اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ایسی مجالس میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جہاں ذکر الٰہی ہوتا ہو۔ (آمین) دنیا داروں کو ان باتوں کا احساس نہیں۔ اس کا طریقہ اللہ تعالے نے ہمیں بتلایا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔"

اتباع نبوی میں ہی دنیا کا چین اور آخرت کی نجات ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ ط

۶ جمادی الاول ۱۳۷۵ھ بمطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۵۵ء

نیکوں کی دوستی

شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ترجمے کے حاشیہ میں ایک عجیب چیز لکھی ہے۔ وہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ترجمہ بہترین ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس کی کچھ اصلاح فرمائی ہے۔ اصلاح کے یہ معنی نہیں۔ کہ اس میں کچھ غلطیاں تھیں وہ انہوں نے درست فرمائی ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحبرحمہ اللہ کی اردو بہت پرانی ہے اس میں بعض متروک الاستعمال الفاظ کو شیخ الہند رحمہ اللہ نے نکال دیا۔ ۶/۵ حصہ شاہ صاحب کا ہی ترجمہ لیا۔ صرف ۱/۶ حصہ میں تبدیلی فرمائی ہے۔ شیخ الہند رحمہ اللہ کے دل میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کا اتنا ادب تھا۔ کہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر قرآن اردو میں نازل ہوتا تو شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زبان میں نازل ہوتا"۔ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا کمال یہ ہے کہ عربی محاورات کے مقابلہ میں اردو کے وہ محاورات استعمال فرماتے ہیں جن سے مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

قولہ تعالیٰ فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَہِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِکَ عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ شَہِیۡدًا"

ترجمہ: "پھر کیا حال ہو گا جب بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا" (سورۃ النساء پارہ ۵ رکوع ٦)

اس آیت کے متعلق شاہ صاحب رحمہ اللہ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ یعنی ہر امت اور ہر عہد کے لوگوں کا احوال اس وقت کے پیغمبر سے معتبر نیک بختوں سے بیان کروا دیں گے۔ منکروں کا انکار اور اطاعت والوں کی اطاعت بیان ہو گی۔

قولہ تعالیٰ وَ نَزَعۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیۡدًا" (سورے القصص پارہ ۲۰ رکوع ۷) ترجمہ: "اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتلانے والا"

اس کے متعلق فرماتے ہیں "احوال بتانے والا پیغمبر یا ان کے نائب یا جو نیک بخت تھے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر دور کے انسانوں کا اس دور کے اللہ کے مقبول بندے بطور گواہ پیش ہوں گے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ قیامت کے دن سب لوگ پریشان ہوں گے تو گواہی کیسے دیں گے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ

کے بعض بندے ایسے بھی ہوں گے جن پر قیامت کے دن کی پریشانی کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ اس کے متعلق پہلے قرآن مجید اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پیش کروں گا۔

قولہ تعالیٰ: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ (سورۃ الانبیاء رکوع ۷ پارہ ۱۷) (ترجمہ) انہیں بڑا بھاری خوف بھی پریشان نہیں کرے گا۔ اور ان سے فرشتے آملیں گے۔ یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

اس آیت کے متعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ یعنی اس دن جب خلقت کو سخت گھبراہٹ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو رنج و غم سے محفوظ رکھے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات

۱ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَيْنَ

الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ الْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا وہ دوست کہاں ہیں جو میری عظمت کے سبب سے ایک دوسرے کے دوست تھے۔ آج میں انہیں اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جس دن سوائے میرے سایہ کے اور کوئی سایہ نہیں ہے۔)

عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَّا هُمْ بِاَنْبِیَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ یَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّهَدَاءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِمَکَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ یَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰی نُوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَاَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ (رواہ ابو داؤد و رواہ فی شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی ہوں گے نہ وہ نبی ہیں نہ وہ شہید ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں ان کے مرتبے کے سبب سے انبیاء اور شہداء بھی ان کی ریس کریں گے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں خبر دیجئے وہ کون لوگ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی محبت کے سبب سے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے۔ نہ ان میں آپس میں رشتہ داری تھی۔ اور نہ مالوں کا کوئی لین دین تھا۔ پس خدا کی قسم ہے بے شک ان کے منہ پر اللہ کے نور ہوں گے۔ وہ نور کے اوپر ہوں گے وہ نہیں ڈریں گے جب لوگ ڈریں گے۔ اور انہیں غم نہیں ہو گا جب لوگ مغموم ہوں گے اور آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

آیت اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(ترجمہ) بے شک اللہ کے دوست (وہ ہیں) جن کو نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

() عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظِلِّہٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَاءَ فِیْ عِبَادَۃِ اللّٰہِ وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْہُ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْہِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰہِ اجْتَمَعَا عَلَیْہِ وَ تَفَرَّقَا عَلَیْہِ وَ رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ وَ رَجُلٌ دَعَتْہُ اِمْرَأَۃٌ ذَاتَ حَسَبٍ وَّ جَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَتِہٖ فَاَخْفَاھَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُہٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُہٗ (رواہ ابوداؤد و روازہ فی شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سایہ میں رکھے گا۔ جس روز کہ خدا کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ (۱) امام عادل۔ (۲) وہ جوان جو اپنی جوانی کو خدا کی عبادت میں صرف کر دے۔ (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہے۔ جب وہ مسجد سے باہر نکلتا ہے تو جب تک مسجد میں واپس نہ آجائے بے

چین رہتا ہے۔ (۴) وہ شخص جو خدا کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں اکٹھے ہوں تو اس بنا پر جدا ہوں تو اس بنا پر۔ (۵) وہ شخص جو یاد کرتا ہے خدا کو تنہا۔ اور اس کی آنکھیں ذکر الٰہی سے جاری رہتی ہیں۔ (۶) وہ شخص جس کو ایک شریف النفس اور حسین بلائے۔ پس اس نے نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ (۷) وہ شخص جو خیرات کرتا ہے اس طرح کہ بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے رکھا ہے۔ اس کی حفاظت علماء کرام اور صوفیائے عظام کر رہے ہیں۔ علماء قال اور صوفیائے حال کے محافظ ہیں۔

اسی لئے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی صوفی آسمان پر اڑتا ہوا نظر آئے اور لاکھوں مرید پیچھے لگا کر لائے۔ اگر اس کا حال کتاب و سنت کے خلاف ہے تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گناہ۔ اس کی بیعت کرنا حرام ہے۔ اگر ہو جائے تو توڑنا فرض عین ہے۔ پنجاب میں جو لٹیں بڑھائے' اس کو لوگ ''سائیں'' یعنی نیک کہنے لگتے ہیں۔ خواہ اندر پورا

شیطان ہو۔ آپ نے شیخوپورہ کے ایک پیر کا واقعہ اخبارات میں پڑھا ہو گا۔ اکثر افسر اس کے معتقد ہو گئے بعد میں جب اغوا کے جرم میں پکڑا گیا تو انھیں افسروں کے سامنے پیش ہوتا تھا۔ کرنل لارنس، پیر کرم شاہ بن کر آ گیا تو لوگ اس پر لٹو ہو گئے۔

ہم کلمہ گو ہیں اس لئے اللہ سے پوچھیں گے کہ نیک کون ہیں۔ ہمیں قرآن مجید کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

قولہ تعالیٰ: اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ (سورۃ الاعراف رکوع ا پارہ نمبر۸) ترجمہ: "اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم ہمارے لئے نمونہ ہیں۔

قولہ تعالیٰ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ترجمہ: تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ (سورۃ الاحزاب رکوع نمبر۳ پارہ نمبر۲۱)

حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شامل فرما دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَ نُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَ سَاءَتْ مَصِيرًا" (سورة النساء رکوع نمبر ۱۷ پارہ نمبر ۵)

ترجمہ: "اور جو کوئی مخالفت کرے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم اس کو حوالہ کریں گے وہی طرف جو اس اس نے اختیار کی۔ اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔

یہاں مومنین سے مراد نمبر اول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ جس کو کوئی کام نہ ملے وہ لنگوٹی کھول کر ننگا ہو جائے اور پاگلوں والی باتیں کرنے لگے۔ تو لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ مجذوب ہے۔ یہ یاد رکھیئے کہ ہر پاگل مجذوب نہیں ہوتا اور نہ ہر مجذوب پاگل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک وہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم پر چلیں۔ ان سے پوچھیں گے کہ اشاعت دین میں کون تمہارے معاون اور کون مخالف

تھے۔ اس قسم کے نیک بخت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر دور میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان نیک بختوں کے زمرہ میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین یا الہ العالمین)

۳۰جمادی الاول ۱۳۷۵ھ بمطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۵۵ء

محبت

نجات دہندہ۔ ہلاک کنندہ

اس جہان کے بعد دوسرا جہان آنے والا ہے۔ قبر اس کی ڈیوڑھی ہے اس کے بعد حشر میں سب مخلوق ایک بہت بڑے وسیع میدان میں جمع ہو گی۔ اگر کہیں میلہ ہو تو اتنی خلقت جمع ہو جاتی ہے کہ اس میدان میں سما نہیں سکتی۔ تقسیم سے پہلے ساری دنیا میں ستر کروڑ مسلمان اور ساٹھ کروڑ عیسائی تھے۔ یہود، ہندو، بدھ اور باقی قومیں ان کے علاوہ تھیں۔ ان کی تعداد کا ہمیں علم نہیں۔ ایک دور کی نسل انسانی کے لئے بہت وسیع میدان درکار ہو گا۔

اس جہان کا نظام ظاہر پر مبنی ہے۔ مثلاً" ایک کافر جب کلمہ پڑھ لیتا ہے تو وہ مسلمان کہلانے لگتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں جو دل سے کافر تھے مگر بظاہر کلمہ پڑھتے تھے وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل سمجھے جاتے تھے ان کو مال غنیمت سے حصہ ملتا تھا۔ یہ منافقین کا

گروہ تھا۔

سورۃ المنٰفقون رکوع نمبر ۱ پارہ نمبر ۲۸ میں منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ قولہ تعالیٰ: ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ

ترجمہ: یہ اس لئے ہوا کہ منافق ایمان لائے پھر کفر کیا ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی پس وہ نہیں سمجھتے ہیں۔

عالم آخرت کا نظام باطن پر مبنی ہے۔ قبر سے لے کر حشر تک باطن کے لحاظ سے سلوک ہو گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن منکرین کے وجود چیونٹی کے برابر ہوں گے۔ وہ لاشئی بھی نہیں ہوں گے لیکن شئے معتدبہ نہ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (سورہ بقرہ رکوع ۱ پارہ ۱)

ترجمہ: ”بے شک کافروں کے لیے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے (وہ) ایمان نہیں لائیں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کو نہ شریعت کا پاس ہے نہ ان کے

دلوں میں خوف خدا اور نہ فکر آخرت ہے نہ کوئی غم ہے یہاں تو اچھے کھانے کھا کر اور بے فکری کے باعث خوب موٹے تازے تھے۔ لیکن آخرت میں ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوں گے۔ ان کے مقابلہ میں مؤذنین کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ان کی گردنیں سب سے زیادہ بلند ہوں گی۔ چونکہ مؤذن دوسروں کو نیکی یعنی نماز کی طرف بلاتے ہیں۔ اس لئے ان کو اپنی نماز کے علاوہ دوسرے نمازیوں کی نماز کا بھی اجر ملتا ہے۔

۸ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ حدیث شریف: اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ

ترجمہ: نیکی کی طرف دلالت کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ (اس نیکی کے) کرنے والا ہے۔

اس وجہ سے ان کو قیامت کے دن بلند قامت وجود عطا ہو گا۔ امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ قیامت کے دن باطن کے لحاظ سے سلوک ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد میں گذشتہ جمعرات عرض کر چکا ہوں۔ کہ بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہوں گے۔ کہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے

مرتبے کے سبب سے انبیاء اور شہداء بھی ان کی ریس کریں گے۔

ہماری آج کی صحبت' باطن کی اصلاح کے لئے ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب اللہ اور حضور ﷺ کے ہاں سرخ رو ہوں۔ باطن کی اصلاح تزکیہ سے ہوتی ہے۔

بعض بے سمجھ تصوف کو بدعت کہتے ہیں۔ تصوف تزکیہ نفس ہی کا دوسرا نام ہے۔ حضور ﷺ کے فرائض اربعہ میں سے ایک تزکیہ نفس بھی ہے۔ فرائض اربعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قولہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (سورۃ الجمعہ رکوع ۱ پارہ ۲۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (امراض روحانی) سے پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب (قرآن) اور دانش مندی کی تعلیم دیتا ہے۔"

حضور ﷺ کی صحبت میں صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم کی باطن کی صفائی ہوتی تھی سورۃ توبہ رکوع نمبر ۴ پارہ نمبر ۱میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ ترجمہ: "بے شک مشرک ناپاک ہیں (اس لئے) وہ آج کے سال کے بعد اس مسجد (خانہ کعبہ) کے قریب نہ آئیں"

یہاں شرک کو نجاست کہا گیا ہے۔ جو باطنی پلیدی ہے ورنہ بظاہر تو کفار مکہ لباس فاخرہ پہنتے ہوں گے۔ میں تو ان میں سے نہیں ہوں جن کی صحبت میں تزکیہ نفس ہوتا ہے یہ تو ان کی مجالس کی نقل ہے۔

احب الصالحین و لست منہم

لعل اللہ یرزقنی صلاحا"

جن کا باطن سنور جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ

آج میں محبت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) نجات دہندہ (۲) ہلاک کنندہ۔ حب کی ضد ہے بغض، حب اور بغض دونوں فعل قلب

ہیں۔ دونوں کا اظہار اعضاء ظاہری سے ہوتا ہے۔ مثلاً" ایک شخص جس سے ہمیں محبت ہے ہمارے ہاں آتا ہے تو ہم زبان سے اس کی خدمت میں السلام علیکم عرض کریں گے۔ پاؤں سے اس کے استقبال کے لئے چل کر جائیں گے۔ غرضیکہ ہر عضو سے دل کی محبت کا اظہار ہو گا۔

جو محبت اللہ کی ذات اقدس سے ہو اور اس کے تعلق کی بنا پر ہو۔ وہ نجات دہندہ ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث شریف: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰی لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ

ترجمہ: جس نے اللہ کے لئے محبت رکھی۔ اور اللہ کے لئے دشمنی رکھی۔ اور اللہ کے لئے بغض رکھا۔ اور اللہ کے لئے دیا۔ اور اللہ کے لئے دینے سے ہاتھ روک لیا۔ تحقیق اس نے (اپنا) ایمان مکمل کر لیا۔

جو اللہ کے ہاں محبوب وہ ہمارے ہاں بھی محبوب ہے۔ جو اس کے ہاں مردود ہے وہ ہمارے ہاں بھی مردود ہے۔ سورۃ المجادلہ رکوع نمبر ۳ پارہ نمبر ۲۸ میں اللہ تعالیٰ اپنے اس قسم کے

بندوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ لَا تَجِدُ قَوْماً یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَوْ کَانُوْا اٰبَاءَ ھُمْ اَوْ اَبْنَاءَ ھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ

رجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں۔ آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں۔ گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ کے ہی لوگ کیوں نہ ہوں۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا۔"

باپ 'اولاد' بھائی اور برادری سے فطرتاً محبت ہوتی ہے۔ اور ان سے محبت نجات دہندہ ہے۔ بشرطیکہ وہ شریعت کے مخالف نہ ہوں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ محبت فقط اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ محبوب کے متعلقات اور اس کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ باقی سب چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی بنا پر محبت ہونی چاہئے۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں اس لئے محبت ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں قرآن مجید سے اس لئے محبت ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ ذاتی محبت ہلاک کنندہ ہے مثلاً" بیوی سے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ (سورۃ التغابن رکوع ۲ پارہ ۲۸)

ترجمہ: اے یمان والو بے شک تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں" (سو ان سے بچو)

اگر اللہ کے تعلق کو نظر انداز کر کے بیوی محبوب ہے ۔تو اس کی ہر فرمائش کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔ خواہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے یہی چیز زندگی میں گناہ اور مرنے کے بعد موجب عذاب ہو جائے گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اس سے بچنے کا حکم دے رہے ہیں۔

پہلی قسم کی' یعنی نجات دہندہ محبت تربیت سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی محبت' یعنی ہلاک کنندہ فطری ہوتی ہے۔ قیامت کے دن پہلی قسم کی محبت کام آئے گی۔

اللہ تعالے فرماتے ہیں: قولہ تعالیٰ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُھُمْ

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (سورۃ الزخرف رکوع ۶ پارہ ۲۵)

ترجمہ: اس دن (قیامت میں) سب دوست (ایک دوسرے کے) دشمن ہوں گے مگر پرہیز گار۔

اس دن اللہ کے نیک بندوں کی دوستی کام آئے گی۔ باقی سب دوست دشمن ہو جائیں گے۔ بیوی میاں سے ' میاں بیوی سے ماں باپ اولاد سے اور اولاد والدین سے بیزار ہو گی۔

قولہ تعالیٰ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (سورۃ عبس پارہ ۳۰)

ترجمہ: اس دن (قیامت میں) آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ اس دن ہر ایک اپنی مصیبت میں مبتلا ہو گا۔ اور دوسروں سے بے پرواہ ہو گا۔

وہاں تقویٰ ' یعنی خدا سے محبت کی بناء پر جو تعلق ہو گا اس کی قدر و قیمت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے متعلقات مثلاً" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و سلم) 'کتاب اللہ ' اللہ کے

مقبول بندے ان سے محبت نجات دہندہ ہو گی۔

۶اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ (سورۃ الزحرف رکوع ۴ پارہ ۲۵)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کے ذکر (یعنی قرآن) سے روگردانی کرتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ پس وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔

اس دن دست حسرت مل کر کہیں گے کہ اگر بیوی نہ ہوتی تو ہلاک نہ ہوتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔حدیث شریف: کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرِ سَبِیْلٍ ترجمہ: دنیا میں اس طرح رہ گویا تو مسافر ہے)

میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ یہ چیز شیخ کامل کی صحبت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر بظاہر انسان سب کے ساتھ ہوتا ہے مگر حقیقت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے دل نہیں لگاتا۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔:

دلا تو رسم تعلق ز مرغ آبی جو

اگرچہ غرق بدریا است خشک پر برخاست

اللہ والوں کی محبت کی بنا پر انسان سب سے کٹ جاتا ہے۔ اس قسم کے انسان ہی سالم دل والے ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ولہ تعالیٰ: یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (سورۃ الشعراء رکوع ۵ پارہ ۱۹) ترجمہ: (اس دن قیامت میں نہ مال اور نہ بیٹے نفع دیں گے مگر وہ شخص نفع پائے گا جو سالم دل اللہ کے ہاں لائے گا)

سالم دل کے یہ معنی ہیں کہ دل میں اللہ تعالے کے سوا نہ کسی سے محبت ہو اور نہ کسی کا ڈر ہو۔ اللہ والوں کا چونکہ یہ حال ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا عکس طالب پر پڑتا ہے۔ جن کا یہ حال ہو جاتا ہے وہ سطح زمین پر ہوں یا زیر زمین ہوں دونوں جگہ خوش رہتے ہیں۔ صحبت میں انسان کی روحانی ترقی ہوتی ہے۔ مگر پتہ نہیں لگتا جس طرح ماں بچے کو کھلاتی پلاتی ہے اور ہر آن بڑھتا ہے مگر اس وقت پتہ نہیں چلتا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو نجات دہندہ محبت کا محب بنائے۔ اور ہلاک کنندہ محبت سے بچائے۔ آمین

۲۰ جمادی الاول ۱۳۷۵ھ بمطابق ۵ جنوری ۱۹۵۶ء

انسان کی روحانی تربیّت

اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو چیزیں رکھی ہیں۔ ایک روح اور دوسرا جسم ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی اصطلاح میں ان کو ملکیت اور بہیمت سے تعبیر فرماتے ہیں۔ دونوں کے مجموعے کا نام انسان ہے ۔ درحقیت انسان روح کا نام ہے۔

مرنے کے بعد روح نکل جاتی ہے۔ جسم زمین کی پیداوار ہے اور روح آسمان سے آئی ہے۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ چھوتھے مہینے ماں کے پیٹ میں جب بچہ کی ساخت مکمل ہو جاتی ہے تو اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ دونوں کا رب ہے۔ اس لئے دونوں کی تربیت اس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ زمین کی ساری چیزیں جسم کی تربیت کے لئے ہیں۔ پہاڑ' دریا' درخت' حیوانات' نباتاب' معدنیات سب انسان کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" (سورۃ البقرہ رکوع نمبر ۳ پارہ نمبر ۱)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) وہ ہے جس نے (اے انسانو) جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے بنایا (یہ انسان کی جسمانی تربیت کا نظام ہے۔)

خدا کی قدرت دیکھئے کہ ہر ملک کی پیداوار علیحدہ ہوتی ہے۔ پاکستان میں نمک پیدا ہوتا ہے جو ہندوستان میں نہیں ہوتا۔ ہندوستان میں کیلا پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی کیلا پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بحیثیت رب العالمین روحانی تربیت بھی اس کے ذمہ عائد ہو جاتی ہے۔ جسمانی تربیت کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو پیدا اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ مگر ماں باپ ان کی ترکیب و تحلیل کر کے بچہ کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ کوئی چیز کچی اور کوئی پکا کر بچہ کو کھلاتے پلاتے ہیں۔ ماں باپ کی جسمانی تربیت کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو بچہ پہلے خود کروٹ بھی نہیں بدل سکتا وہ اتنا قوی ہیکل جوان ہو جاتا ہے کہ ڈھائی من کی بوری با آسانی اٹھا سکتا ہے۔ بعینہ یہی حال روحانی تربیت کا ہے۔ روحانیت کی

غذا قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو نازل تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے مگر اس کا رنگ چڑھانے والے روحانی مربی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے پہلے انسان کی روحانی تربیت کے لئے وقتاً فوقتاً ایک لاکھ تیئس ہزار نو سو ننانویں (۱۲۳۹۹۹) انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ اور سابقہ کتب سماوی نازل فرمائیں۔ ان روحانی مربیوں کی بعثت سے پہلے کوئی کافر اور کوئی مشرک ہوتا ہے۔ ان کی تربیت سے انہیں میں سے کوئی صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کوئی شہید بن جاتا ہے۔

حضور ﷺ کی بعثت کے بعد اب روحانی تربیت فقط آپ کی دامن گیری سے ہو سکتی ہے۔ اس کو سمجھانے کے لئے ایک بڑے پنڈال کی مثال بیان کیا کرتا ہوں۔ جس میں داخلے کے لئے کئی دروازے ہیں۔ جب پنڈال بھر جاتا ہے تو سوائے صدر دروازہ کے سب دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پنڈال میں داخلہ کے لئے صرف صدر دروازہ ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جنت میں داخلہ کے لئے بھی کئی دروازے ہیں۔ مثلاً ایک دروازہ پر نوح علیہ السلام داخلہ

کا ٹکٹ عطا فرمانے کے لئے رونق افروز تھے۔ دوسرے یہ ابراہیم علیہ السلام اور تیرے پر یونس علیہ السلام اور باقی دروازوں پر دوسرے انبیاء علیہم السلام۔ صدر دروازہ پر رحمتہ اللعالمین علیہ الصلوۃ والسلام تشریف فرما ہیں۔ اب باقی سب دروازے بند ہو چکے ہیں۔ صرف صدر دروازہ کھلا ہے۔

اب حضور ﷺ کی دامن گیری کے بغیر کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک شخص انبیاء سابقین میں سے کسی کا متبع ہے۔ مگر حضور ﷺ پر' تبلیغ کے بعد بھی ایمان نہیں لاتا تو وہ بارگاہ الہٰی میں مقبول نہ ہو گا بلکہ مردود قرار پائے گا۔ روحانیت کی غذا فقط قرآن مجید ہے۔ اس کے نزول کے بعد نجات کے لئے حضور ﷺ کی دامن گیری ضروری ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے شک اسلام لانے سے پہلے بھی نیک تھے۔ لیکن صحیح راستہ کی طرف حضور ﷺ کی دامن گیری کے بعد ہی رہنمائی ہوئی۔ عشرہ مبشرہ کو جنت کی خوش خبریاں' اور اصحاب بدر کو "اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم" کے سرٹیفکیٹ حضور ﷺ کی دامن گیری

کے بعد ہی عطا ہوئے۔

تربیت روحانی نہیں ہو سکتی الا بتعلیم القرآن

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کے بعد قرآن مجید کو حال بنانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر روحانی تربیت ناممکن ہے۔

ہندوؤں کے سادھو بہت ریاضتیں کرتے ہیں۔ کوئی جسم پر بھبوت مل کر بیٹھتا ہے۔ کوئی ہاتھوں کو اوپر کر کے ان کو سکھا لیتا ہے۔ لیکن اہل اللہ کو نظر آتا ہے کہ ان کے سینوں میں نور نہیں ہے۔ گویا کہ ساری عمر برباد ہوئی' نہ دنیا ملی اور نہ آخرت ہاتھ آئی۔

سینہ میں نور قرآن کی تعلیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دامن گیری سے آتا ہے۔ بعض ہندو قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں۔ پنڈت "رام چند دہلوی" اعلیٰ درجہ کا قاری تھا۔ وہ حدیث بھی پڑھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ بڑے بڑے عالم بھی مناظرہ نہیں کر سکتے تھے۔ قرآن اور حدیث کا عالم ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دامن گیری کے بغیر بے ایمان تھا۔ قرب الی اللہ کا راستہ نہیں معلوم ہو سکتا جب تک انسان کلمہ

نہ پڑھے۔ اس کے بعد تکمیل، "قرآن" کے ذریعہ ہو گی۔ پھر ہر ایک اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس راستہ میں ترقی کرتا ہے۔

فکر　　ہر　　کس　　بقدر　　ہمت　　اوست

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

(حدیث شریف:) تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَ سُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک کہ تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے (وہ دو چیزیں کیا ہیں؟) کتاب اللہ اور اس کے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت)۔

گمراہی سے بچنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ان دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ امیر ہو یا غریب، عالم ہو یا جاہل، مرد ہو یا عورت جو بھی قرآن اور حدیث سے نا آشناء ہو گا وہ گمراہ ہو گا۔

میں ہمیشہ آپ سے کہا کرتا ہوں کہ یا تو انسان خود عالم قرآن ہو یا کسی عالم قرآن کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ ہو۔ یا اللہ تعالیٰ مادر زاد ولی بنا دے ۔ ان تینوں صورتوں کے بغیر شیطان

ایمان نہیں رہنے دیتا۔

قرآن اور حدیث دونوں محفوظ ہیں۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ قولہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (سورۃ الحجر رکوع ا پارہ ۱۴)۔

"ترجمہ: ہم نے ہی ذکر (قرآن) کو نازل فرمایا۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

قرآن محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ محفوظ نہ ہو۔ اس لیے قرآن کے ساتھ حدیث خود بخود محفوظ ہو گئی۔ مسلمانوں کے سوا کسی امت کے پاس نہ ان کی آسمانی کتاب محفوظ ہے اور نہ ان کے نبی کا اسوۂ حسنہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے کلام میں سے صرف یہ ایک فقرہ محفوظ ہے۔ "اِذا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" اس کا فارسی میں کسی نے ترجمہ کیا ہے۔

"بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن"

(اگر تو بے حیا ہو جائے تو جو تیرا دل چاہے کر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ

مِّنْ قَبْلِكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ (حدیث شریف) ترجمہ: "البتہ تم ضرور ان کے نقش قدم پر چلو گے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ بالشت برابر بالشت اور ہاتھ برابر ہاتھ۔" من قبلکم کے متعلق جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی۔ کیا ان سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور کون؟۔

ان کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:۔ "مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ" یہی حال مسلمانوں کا ہے کتاب و سنت سے نا آشناء ہیں۔ اور چند خود ساختہ رسم و رواج کو دین کا نام دے رکھا ہے۔

ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاصیت رکھی ہے۔ جو اس کے بغیر دوسری کسی چیز میں نہیں ملے گی۔ نمک کے اندر جو نمکینی ہے وہ مشک و عنبر نہیں میں ہے۔ اگر نمک نہیں ڈالیں گے تو غریب کی ہنڈیا اور امیر کی دیگ پھیکی ہو گی۔ قرآن میں غور و خوض نہ کرنے والا عالم بھی گمراہ ہو گا اور جاہل بھی۔ قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جو بتلاتی ہے کہ ہمارا خدا سے کیا تعلق ہے۔ اور خدا کا ہم سے کیا تعلق

ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے ذریعہ اپنی روحانی تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء

بارگاہ الٰہی میں قبولیت کی علامتیں

سب سے پہلے اپنا امتحان لیا کیجئے کہ کیا میں بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں یا نہیں۔؟ اس کے بعد بال بچوں کی فکر کیا کیجئے۔ اور ان کے اندر یہ علامتیں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ سورۃ التحریم رکوع نمبرا پارہ نمبر۲۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔:

قولہ تعالیٰ: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا ترجمہ: "اے ایمان والو اپنے آپ کو اوز اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔"

جیسے بال بچوں کی ضرورت زندگی مہیا کرنا مرد کے ذمہ ہے۔ اسی طرح ان کی اصلاح نفس بھی اس کے ذمہ فرض ہے۔ اگر کسی کی بیوی بیمار ہو جائے وہ یا تو اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جائے گا۔ یا ڈاکٹر کو اس کے پاس لائے گا۔ لیکن اگر وہ یہ نہ کرے اور نہ وہ' تو یہی کہا جائے گا کہ وہ ظالم ہے۔ حالانکہ اسے توفیق بھی ہو۔ یہی حال روحانی بیماری کا ہے۔ اگر کسی کے بال بچے روحانی مریض ہوں اور وہ نہ طبیب روحانی

کے پاس لے جائے اور نہ طبیب روحانی کو ان کے پاس لائے'
تو یہی کہا جائے گا کہ وہ ظالم ہے۔

ایک دفعہ حضرت امروٹی رحمتہ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے۔ ان کی موجودگی میں' میں نے تقریر کی۔ حضرت رحمہ اللہ نے پانچ روپیہ چندہ بھی دیا اور خلیفہ شہاب الدین سے فرمایا کہ تم ان کی تقریر لکھ کر چھپواتے کیوں نہیں؟ تاکہ باہر کے لوگ بھی اس سے مستفید ہوں۔ یہ ان کی دعا کی برکت ہے۔ کہ اب تک نو لاکھ سے زائد رسالے چھپ کر تقسیم ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کئی مطبوعات بھی ہیں۔

گھر کا بڑا ذمہ دار آدمی اگر بیمار ہو' تو بھی بال بچوں کی "قوت لایموت" پیدا کرنا اسی کے ذمہ ہوتا ہے۔ میں اگرچہ روحانی بیمار ہوں لیکن میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہوں۔ اس لئے کچھ نہ کچھ آپ کی خدمت میں عرض کر دیا کرتا ہوں۔ اب میں بارگاہ الٰہی میں قبولیت کی علامتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ رکوع نمبر ۲۰ پارہ نمبر ۲ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ

دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

ترجمہ: "اور لوگوں میں سے بعض اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا لیتے ہیں۔ (پھر) ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے۔ اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ محبت کا پتہ تب چلتا ہے کہ محبوب ایک طرف بلائے اور اس کے مخالف دوسری طرف کھینچیں۔ اگر اس نے محبوب کا کہا مانا تو سمجھا جائے گا کہ اس کو اس سے محبت ہے۔ اور اگر مخالفین کی بات پر عمل کیا تو اس کا دعویٰ محبت غلط قرار دیا جائے گا۔ اگر انسان اپنے نفس، بیوی، اولاد اور برادری کے مقابلہ میں خدا کی رضا کا خیال رکھتا ہے تو کہا جائے گا کہ اس کو خدا سے محبت ہے۔ اس کی یہی کوشش ہو گی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہو جائیں۔ باقی کوئی راضی رہے یا نہ رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کے نتائج ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے

اور آپ کو سب سے زیادہ اپنی محبت عطا فرمائے۔

(آمین یا الٰہ العالمین)

۲۔ دوسری علامت ہے کہ متعلقات محبوب کی دل میں عزت ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جائے تو پھر اس کی طرف جس چیز کو بھی نسبت ہوتی ہے۔ وہ بھی محبوب ہو جاتی ہے۔

سورۃ الحج رکوع نمبر ۴ پارہ نمبر ۱۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ : وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ترجمہ: (اور جس نے شعائر اللہ کی تعظیم کی پس یہ چیز دل کی پرہیز گاری میں سے ہے)۔

ہر قوم کا اپنا شعار ہوتا ہے۔ مثلاً" انگریز کے ابتدائی دور حکومت میں یہاں ترکی ٹوپی مسلمان کا شعار تھا۔ سر پر بودی ہندو کا شعار تھا۔ ہیٹ انگریز کا شعار تھا۔ اگر کوئی ہندوستانی ہیٹ پہن لیتا تھا تو لوگ اسے کہتے تھے کہ "یہ کرنٹا ہو گیا۔" حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ چار ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ ۲۔ رسول اللہ ۳۔ بیت اللہ ۴۔ الصلوٰۃ۔

دنیا میں کتابیں بے شمار ہیں۔ لیکن اس وقت قرآن مجید ہی

ایک ایسی کتاب ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ کتاب اللہ کا نام سنتے ہی ذہن فوراً" قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب لغاری سکنہ سانگھڑ نے مجھے ایک معمر شخص کا واقعہ سنایا جو ان کے پاس پڑھنے کے لیے آیا۔ (پچھلے دنوں جب میں سندھ گیا تھا تو مولانا عبداللہ صاحب لغاری کے ہاں ایک نوجوان نے مجھے بتلایا کہ وہ معمر شخص میرا چچا تھا) وہ شخص سر پر قرآن مجید اٹھائے جنگل میں جا رہا تھا کہ اسے ایک گڈریا ملا۔ جب گڈریا نے اس سے پوچھا کہ تمھارے سر پر کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ کلام اللہ" ہے۔ سندھ میں زیادہ تر قرآن مجید کو لوگ "کلام اللہ" کہتے ہیں۔

گڈریا نے کہا کہ مجھے کلام اللہ پڑھ کر سناؤ۔ اس شخص نے کہا کہ میرا وضو نہیں ہے۔ جہاں پانی ملے گا وہاں وضو کر کے تمہیں سنا سکتا ہوں۔ گڈریا اپنے مویشی چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب پانی ملا تو اس نے وضو کر کے قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ گڈریا نے پھر پوچھا کہ یہ تو بتلاؤ اللہ تعالے ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ تاکہ ہم اسی طرح عمل کر کے اس کو راضی کر

سکیں۔ یہ شخص بھی خود قرآن دان نہ تھا۔ اس لئے اس سے کہنے لگا کہ "کلام اللہ کا مطلب تو مجھے بھی نہیں آتا۔" لیکن گڈریا کی بات اس کے دل میں بیٹھ گئی۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اسی دن سے اس نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کا ارادہ کرلیا۔ اسی غرض کے لئے وہ مولانا عبداللہ صاحب لغاری کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے جب پوچھا کہ اس عمر میں تمہیں پڑھنے کا شوق کیسے پیدا ہوا؟ تو اس نے سارا واقعہ عرض کیا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ رسول کے معنٰی ہیں "قاصد" قاصد دنیا میں کروڑوں۔ لیکن اللہ کے قاصد صرف ایک حضور ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے بھی اللہ کی طرف سے ہر قوم اور ہر خطہ کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے۔ لیکن اس وقت رسول اللہ (ﷺ) کے الفاظ سنتے ہی ذہن صرف حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

۳۔ بیت اللہ:۔ بیت کے معنٰی ہیں "گھر" گھر دنیا میں لاکھوں

ہیں بلکہ کروڑوں ۔ مگر اللہ کا گھر صرف خانہ کعبہ ہے۔ ۴۔ الصلوۃ ۔ نماز' میں اللہ کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اس کی ساری ہیت کذائی میں معبود حقیقی کی یاد ہے۔اَوْصِی نَفْسِی اَوْلاً وَ اِیَّاکُم بَعْدَہٗ' ترجمہ : پہلے میں اپنے آپ کو اور پھر آپ کو وصیت کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو شعائر اللہ کی تعظیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ نماز باقاعدہ ادا کریں ۔ تلاوت قرآن مجید میں ناغہ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ہمیشہ اتباع کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو بیت اللہ کا حج بھی کریں۔ یہ متعلقات محبوب حقیقی ہیں اور ان سے محبت دل کے تقویٰ کا پتہ دیتی ہے۔ (فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ) ہر شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ مجھے اللہ اور اس کے متعلقات سے کتنی محبت؟ ہے۔ قرآن مجید تو سب پڑھے ہوئے ہیں لیکن کیا اس سے تقویٰ پیدا ہوا ۔ اکثریت اس امتحان میں ناکامیاب ہے۔ کیونکہ صحبت نصیب نہیں۔ نفس' بیوی' اولاد اور برادری اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرا لیتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بیوی اور اولاد کے متعلق فرمایا۔

قولہ تعالیٰ: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ "اے ایمان والو بے شک تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔ پس ان سے بچو۔"

جو اس امتحان میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قولہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (سورۃ حٰم السجدہ رکوع ۴ پارہ ۲۴)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے (ایک دفعہ) کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر اس پر ڈٹ گئے۔ (موت کے وقت) ان کے پاس فرشتے آتے ہیں یہ پیغام لے کر کہ ڈرو مت اور نہ غم کھاؤ اور وہ اس جنت کی خوش خبری دیتے ہیں جس کا تم کو وعدہ دیا گیا تھا۔

تیسری علامت ہے کہ شعائر اللہ کے متوسلین یعنی اللہ والوں سے محبت ہو۔ ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ: وَاصْبِرْ نَفْسَکَ تا اَلْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (سورۃ کہف

رکوع نمبر۴ پارہ نمبر۱۵) ترجمہ: اپنے آپ کو ان لوگوں کی صحبت میں پابند رکھ جو صبح و شام یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اس کی رضا کے طالب ہیں۔ اگر ان سے آپ نے نظر ہٹائی تو یہی سمجھا جائے گا کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں۔ ''واصبر'' امر کا صیغہ ہے۔ ہمیں ان اللہ والوں کی صحبت میں نشست و برخاست رکھنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ جن کی زندگی کا مقصد نہ جائدادیں بنانا ہے' نہ گریڈ اور عہدے بڑھانا' نہ سیٹھ بننا اور نہ زیادہ سے زیادہ رقبہ زمین پر قبضہ جمانا ہے۔ ان کو اللہ کی رضا کے سوا کوئی چیز محبوب نہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ ''ان اللہ کے بندوں سے نظر ہٹا کر دوسری طرف نہ دیکھنا۔''

بعض مرد اور عورتیں شریعت کے اتباع سے بچنے کے لئے کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم تو دنیا کے کتے ہوئے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کتوں اور کتیوں کے لئے نہیں بھیجا یہ تو انسانوں کے لئے ہے۔ ہم نے اگر اپنے آپ کو کتا کہہ دیا تو کیا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا؟۔

قرآن انسان بناتا ہے۔ آپ میں بعض ایسے بھی ہیں

جن کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں۔ میں ان کو مبارکباد دیتا ہوں یہ قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

قرآن کی تعلیم اور اللہ والوں کی صحبت نصیب نہ ہو تو بعض عالم بھی گنگا رام کی طرح ساری کفر کی رسمیں ادا کرتے ہیں۔

یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا نام آئے اور اثر نہ ہو۔ اگر اثر نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دل پر نہیں پڑتا۔

میں دنیا داروں سے کہا کرتا ہوں کہ تمہیں انسانوں کو پرکھنے کی زیادہ ضرورت ہے' مجھے ضرورت نہیں۔ میرے ہاں کوئی آئے' میں خوش ہوتا ہوں کہ میری ہی باتیں سن کر جائے گا۔ میرے درس میں بعض ہندو بھی آتے تھے۔ شیعہ بھی آتے تھے اہل قرآن کے امام مولوی حشمت علی صاحب سالہا سال تک میرے درس میں آتے رہے ہیں۔ میں نے الحمد کی الف سے والناس کی "س" تک سارا قرآن ان کو سنایا۔

آپ چھان بین کرتے ہیں۔ آپ کو اللہ والوں کی بھی

جانچ پڑتال کرنی چاہیئے کہ کون کھرا ہے اور کون کھوٹا۔ کھرا وہ ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں حدیث خیرالانام ہو۔ زبان سے تو سب یہی کہتے ہیں کہ ہم کھرے ہیں۔ میں تو آپ سب سے ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ اس کو بھی اللہ کے سپرد کیجئے۔ اللہ سے دعا کیا کیجئے کہ "اے اللہ جو کھرا ہے۔ ہمیں اس کے ہاں پہنچا" تاکہ قیامت کے دن تو ہم سے یہ سوال نہ کرے کہ تم فلاں جگہ کیوں گئے تھے؟۔

ہر عالم اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ اکثریت کھوٹوں کی ہے۔ اگر ایک لاکھ مسلمانوں میں سے ایک بھی کھرا عالم ہوتا تو لاہور میں "۱۷" ہونے چاہیئے تھے۔ کھرا وہ ہے جو یہ کہے کہ "خدا واسطے درس قرآن دوں گا تم کچھ دو گے بھی تو میں نہیں لوں گا۔" وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اسی قسم کے عالم ہی حق کہہ سکتے ہیں۔

نعم	الامیر	علی	باب	الفقیر
بئس	الفقیر	علی	باب	الامیر

اللہ تعالیٰ کا نام اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر سیکھنا پڑتا ہے۔

استخارہ میں ضروری نہیں کہ کچھ نظر آئے۔ لیکن طبیعت کا میلان ایک طرف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کی صحبت میں طبیعت کا میلان ذکر الٰہی کی طرف ہو جاتا ہے۔

جمعہ ' درس یا اس مجلس میں جو کچھ میں عرض کیا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے "آمین" وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

۵ جمادی الاخری ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹ جنوری ۱۹۵۶ء

نور فطرت کی تکمیل

میں ہمیشہ آپ سے عرض کیا کرتا ہوں کہ یہ مجلس ان احباب کے لئے ہے جن کا مجھ سے اللہ اللہ کرنے کا تعلق ہے اور جو ہمارے خاندان کے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ میرے اور آپ کے اندر علم الٰہی کے ساتھ اس کا عمل بھی پیدا ہو جائے۔ دوسرے احباب بھی آجاتے ہیں۔

"چشم ما روشن دل ماشاد"

اگر خارجی نور تائید نہ کرے تو ظاہری بینائی بے کار ہو جاتی ہے۔ بینائی خداداد ہے لیکن اس بینائی کو بروئے کار لانے کے لئے خارجی روشنی ضروری ہے۔ مثلاً" رات اندھیری ہو، کمرہ بند ہو اور اس میں روشن دان بھی نہ ہوں اور ہاتھ کو ہاتھ نظر نہ آئے اس جگہ مادر زاد اندھا اور بینا برابر ہیں۔ سورج، چاند سیارے یا کسبا" حاصل شدہ روشنی خارجی روشنی کہلائے گی۔ اپنی بینائی سلامت ہو پھر خارجی روشنی جتنی تیز ہو گی اتنی ہی

دور تک دکھائی دے گا۔ دن کو سورج کی تیز روشنی میں شاہی مسجد کے مینار سے مقبرہ جہانگیر کے مینار نظر آتے ہیں۔ رات کو چاند اور ستاروں کی روشنی اتنی تیز نہیں ہوتی۔ اس لئے زیادہ دور تک دکھائی نہیں دیتا۔

زمین قابل کاشت ہو لیکن اگر مالی نہ آئے اور پانی بھی نہ ملنے پائے تو وہ بے کار پڑی رہے گی۔ اسی طرح نور فطرت موجود ہو۔ یعنی اندر "قبولیت حق کی استعداد" ہو لیکن جب تک خارج کا نور ہدایت تائید نہ کرے یہ استعداد بروئے کار نہیں آتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ

علمی طور پر نور ہدایت کتب سماوی اور عملی طور پر انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ آج کل علمی لحاظ سے یہ نور ہدایت قرآن مجید ہے۔ اور عملی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ بین الدفتین جو چیز میرے اور آپ کے سامنے ہے وہ علم قرآن ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمل قرآن ہیں۔ یہ صورت قرآن ہے اور وہ سیرت قرآن

ہیں۔ حضور ﷺ آفتاب اور صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) چاند کی مانند تھے اور اب علمائے کرام مثل ستاروں کے ہیں۔

صحابہ کرام کو حضور ﷺ کی صحبت میں جتنا تیز نور باطن عطا ہوا تھا وہ بعد میں کسی کو نصیب نہ ہوا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ کام لیے جو بظاہر عقل میں نہیں آتے۔ ہجرت کے بعد حضور ﷺ کی دس سالہ حیات طیبہ کے ۱۲۰ ماہ بنتے ہیں۔ اور اس میں غزوات اور سرایا ملا کر کل ۱۲۱ لڑائیاں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے لڑی ہیں گویا ہر مہینہ ایک لڑائی۔ پھر بادشاہ سلامت وہ ہیں جن کے خزانہ میں نہ کھانے کے لئے روٹی' نہ پہننے کے لئے کپڑا' جو مال غنیمت آتا ہے وہ سب تقسیم فرما دیتے ہیں۔

جنگ تبوک میں بعض صحابہ کرام نے سواری کے لئے حضور ﷺ سے عرض کی' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں۔ قرآن کی شہادت ہے کہ حضور ﷺ کا یہ جواب سن کر وہ حضرات روتے ہوئے جا رہے تھے۔ ان کو نہ بال بچوں کی فکر ہوتی تھی نہ گھر بار کا

خیال آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان نہ تھے کوئی جن تھے۔ دراصل روحانی طاقت پیچھے حضور ﷺ کی ذات مبارک تھی۔ آپ ﷺ کی روحانی طاقت صحابہ سے مافوق الفطرت کام کرا رہی تھی۔ کہ ساری دنیا بھی سیراب ہو جاتی تو بھی نہ ختم ہوتی۔

صحابہ کرام کے اندر جو رنگ تھا وہ تابعین میں نہیں تھا جو تابعین میں تھا وہ تبع تابعین میں نہ تھا۔ اور جو تبع تابعین میں تھا وہ بعد والوں میں نہیں ہے۔ دس ہزار ستارے بھی اکٹھے ہو جائیں تو ایک چاند کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ستارے بھی روشنی دیتے ہیں۔ لیکن سورج اور چاند کے مقابلہ میں ان کی روشنی بہت کم ہوتی ہے۔ اسی طرح علمائے کرام اور صوفیائے عظام بھی نور ہدایت کے علم بردار ہیں۔ لیکن حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے مقابلہ میں ان کی وہ حیثیت نہیں۔

قرآن مجید کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ قولہ تعالیٰ: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰافِظُوْنَ

(ترجمہ) "تحقیق ہم نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی البتہ اس کے نگہبان ہیں۔"

اس کی حفاظت انسانوں سے کرا رہے ہیں۔ علمائے کرام اس کے قال کے اور صوفیائے عظام حال کے محافظ ہیں۔ یہی دونوں جماعتیں حاملین دین ہیں۔ علمائے کرام قرآن سمجھا دیتے ہیں۔ صوفیائے عظام اس کا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔ قرآن رنگ ہے۔ قولہ تعالیٰ: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (سورہ بقرہ رکوع ۱۶ پارہ ۱) ترجمہ: اللہ کا رنگ، اور اللہ سے اچھا کس کا رنگ ہے

دنیا کے رنگ ظاہر کو رنگتے ہیں۔ اور قرآن باطن کو رنگتا ہے۔ قرآن کا رنگ چڑھ جائے تو انسان، انسان بنتا ہے۔ بعض حضرات جامع بھی ہوتے ہیں۔ وہ ظاہری علم کے "فاضل اجل" اور باطن کے کامل اکمل ہوتے ہیں۔

سلسلہ عالیہ دیوبند میں..... اس قسم کے حضرات ہمیشہ رہے ہیں۔ آج کل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی سلمہ اللہ ہیں۔ ان سے پہلے حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تھے۔ ان سے پہلے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تھے۔ ان

سے پہلے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ۔ اتنے سادہ مزاج تھے کہ ان کو دیکھ کر کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ جامع صفات بزرگ تھے۔ ایک دفعہ دیانند سے آپ رحمہ اللہ کا مناظرہ ہوا۔ پنڈال میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ جب آپ رحمہ اللہ تشریف لائے تو دروازہ پر چپڑاسی نے روک کر کہا کہ ارے بڈھے! تو اندر جا کر کیا کرے گا؟۔ فرمایا میں بھی سنوں گا جب آپ نے تقریر فرمائی تو خود ہندوؤں کا بیان ہے کہ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ مولانا کے منہ سے علم کی دیوی بول رہی ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب فاروقی چنگڑ محلّہ (انار کلی لاہور یہیں رہتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جب حج پر گیا تو حضرت مدنی مدظلہ العالی مدینہ میں قیام فرما تھے۔ میں جب مدینہ منورہ پہنچا تو دیکھا کہ حضرت پھر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میرے پاس تشریف لائے۔

میں نے جب عرض کی کہ حضرت کیسے تشریف لائے۔ تو فرمایا کہ تمہیں کیوں بتلاؤں ان کا بیان ہے کہ آپ دراصل مجھے لینے کے لئے آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد فرمانے لگے کہ

پاندان گم کر آئے ہو۔ یہ حضرت کا ماضی کے متعلق کشف تھا۔ میں نے عرض کی کہ حضرت ملے گا بھی یا نہیں ؟۔ تو فرمایا ہاں ہاں مل جائے گا۔ یہ مستقبل کا کشف تھا۔ چنانچہ وہ مل گیا۔ ان کی طبیعت میں ظرافت تھی مگر اب تقسیم کے بعد روتے رہتے ہیں۔

ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

ان کا ہی بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ میں نے حضرت کا جوتا سیدھا کر دیا تو آپ نے میرا جوتا اٹھا کر سر پر رکھ لیا اور فرمایا کہ توبہ کرو کہ آئندہ میرے جوتے کو ہاتھ نہ لگاؤ گے۔ میں نے عرض کی کہ حضرت اگر اس ادب کا یہی صلہ ملنا ہے تو میں اس سے باز آیا۔ یہ صاحب شیخ العرب والعجم ہیں۔ مگر ہستی فنا ہے۔

میری ان کے متعلق رائے ہے کہ اس وقت ان کی ہند و پاکستان میں نظیر نہیں ہے۔ شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ ساری دنیا کے مسلمانوں میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں۔

عالم شکوک و شبہات دور کر دے گا مگر عمل کا رنگ نہیں چڑھتا جب تک کامل کی صحبت نصیب نہ ہو۔ کامل سے اخذ فیض کے لئے عقیدت' ادب اور اطاعت کی ضرورت

ہے۔

بمئے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود وزراہ و رسم منزلہا

عقیدت ' ادب اور اطاعت نہ ہو تو کامل کی صحبت بھی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

علماء کرام اور صوفیائے عظام کا سلسلہ قرآن کی حفاظت کے لئے ہے۔ فوج دراصل سپاہیوں کے مجموعے کا نام ہے۔ لیکن اس میں ڈاکٹر' لانگھری اور بیرے سب شامل ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حدیث شریف: عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَھَّزَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقَدْ غَزَا وَ مَنْ خَلَفَ غَازِیًا فِیْ اَھْلِہٖ فَقَدْ غَزَا

(متفق علیہ) ترجمہ: زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا "جس شخص نے کسی جہاد کرنے والے کا سامان درست کردیا اس نے

گویا جہاد ہی کیا۔ اور جو شخص جہاد کرنے والے کے اہل و عیال کا خدمت گزار بنا اس نے بھی گویا جہاد ہی کیا۔"

دوسرا ارشاد نبوی علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔

حدیث شریف: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلٰثَةَ نَفَرٍ" اَلْجَنَّةَ صَانِعَهٗ يَحْتَسِبُ فِيْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهٖ وَ مُنَبِّلَهٗ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "خداوند تعالیٰ ایک تیر سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ ایک تو تیر بنانے والے کو' جو ثواب کی نیت سے بنائے۔ دوسرے تیر چلانے والے کو۔ تیسرے تیر دینے والے کو۔"

قرآن مجید کی حفاظت دراصل علماء کرام اور صوفیاء عظام کا کام ہے۔ لیکن ان ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت اس کام میں ہر ایک حصہ دار بن سکتا ہے۔ اسی لیے

میں آپ سے کہا کرتا ہوں کہ جو عالم یہاں قرآن مجید پڑھنے آتے ہیں اگر آپ ان کی خوراک کے لئے انجمن کے خزانہ میں کچھ دے دیں گے تو وہ آپ کی کمائی سے دال روٹی کھا کر جائیں گے۔ جب تک وہ اشاعت قرآن کرتے رہیں گے شہنشاہ حقیقی کے خزانے میں آپ کا حصہ بھی ہو جائے گا۔

فطرت سلیم کو بروئے کار لانے کے لئے علماء کرام اور صوفیائے عظام کی ضرورت ہے۔ آج جتنے عالم نظر آتے ہیں۔ یہ گورنروں ' وزراء اور افسروں کی محنت کا نتیجہ نہیں ہیں۔ علماء کرام کی قوت گویائی سے کتاب اللہ کا علم دل میں آتا ہے۔ کامل اس کو اعضاء میں اتارتے ہیں۔ ان میں بعض بڑے اور بعض چھوٹے ہیں۔ دنیا دار سمجھتے ہیں کہ ہم کامل مکمل ہو گئے لیکن جب تک علم صحیح کے ساتھ عمل نہ ہو انسان کامل نہیں ہو سکتا۔

سورۃ یونس رکوع نمبر۵ پارہ نمبر۱۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ: وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ترجمہ: اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔ کیا آپ

اندھے کو ہدایت کر سکتے ہیں اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کا نور فطرت بجھ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے کہ آپ ان کو سنا نہیں سکتے جس طرح اندھے کو دکھایا نہیں جا سکتا اور بہرے کو سنایا نہیں جا سکتا اسی طرح ممسوخ الفطرت لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھایا جا سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حق کی مخالفت کی وجہ سے نور فطرت بجھ چکا ہے۔ انہیں کے متعلق سورۃ البقرہ رکوع نمبر ۱ پارہ نمبر ۱ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہوئے۔ برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

میری ساری تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اگر فطرت سلیمہ موجود ہو اور اس کو باہر کے منبع ہدایت سے رہنمائی ہے تو فائدہ ہوتا ہے۔ ورنہ فطرت سلیمہ بھی بے کار ہوتی ہے۔ جو حضرات منبع ہدایت ہیں ان کی صحبت کے بغیر دین حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان کی صحبت سے استفادہ

کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسخ ہونے سے بچائے۔

(آمِین یَا اِلٰہَ الْعَالَمِینَ۔) وَمَا عَلَینَا اِلَّا الْبَلَاغ

۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۲ فروری ۱۹۵۶ء

عقلمند کم پاگل زیادہ' بینا کم نابینا زیادہ نفع والے کم نقصان والے زیادہ

میں ہمیشہ آپ سے عرض کیا کرتا ہوں۔ یہ مجلس در اصل ان احباب کے لئے ہے جن کا اللہ اللہ کرنے کا تعلق مجھ گنہگار سے ہے۔ یہ الفاظ مجھے ہر دفعہ اس لئے دہرانے پڑتے ہیں۔ کہ ہر مجلس میں کوئی نہ کوئی صاحب نئے ہوتے ہیں۔ ہم اللہ کا نام لیتے ہیں۔ دوسرے احباب بھی آ جاتے ہیں۔

جن احباب کا مجھ سے تعلق ہے ان کی خدمت میرے ذمہ فرض ہے۔ اس لئے میں ان کی روحانی تربیت کے لئے ذکر کے بعد کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں۔ تاکہ ان باتوں پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے اور آپ سے راضی ہو جائے۔ یہی اس مجلس کا مقصد ہے۔ حصہ بقدر جثہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے۔ انسان کام تھوڑا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اجر زیادہ دیتے ہیں۔ ان

کا ارشاد ہے۔

قولہ تعالیٰ: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ترجمہ: جو کوئی ایک نیکی کرے اس کے لئے اس (نیکی) کا دس گنا (اجر ہے)۔

کون اتنی مزدوری دیتا ہے۔ کہ ایک تسبیح کی اور دس کا ثواب مل گیا۔ سکندر رومی سے ایک سائل نے پیسہ مانگا۔ اس نے کہا میری شان کے مطابق مانگو سائل نے کہا اچھا بادشاہی دے دو۔ سکندر نے جواب دیا کہ اپنی حیثیت کا بھی خیال رکھو۔ آج کل کے دنیا داروں نے اگر کسی مزدور کا ایک روپیہ دینا ہو تو ساڑھے تیرہ آنے ہی دینے کی کوشش کریں گے۔ کافی تکرار کے بعد ممکن ہے کہ پندرہ آنے دے دیں۔ میں تو اپنے احباب سے کہا کرتا ہوں کہ غریب سے ڈرا کریں۔

اگر کسی غریب کے چار آنے بنتے ہیں تو اس کو ساڑھے چار آنے دے دیجئے اگر آپ نے اس کا حق پورا نہ دیا تو ممکن ہے اس کی بد دعا سے ہزاروں روپے کا نقصان ہو جائے۔

اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

میری آج کی تقریر کے تین عنوانات ہیں۔ ۱۔ اس جہان میں

پاگل اکثریت میں ہیں۔ اور عقل مند اقلیت میں۔۲۔ نابینا اکثریت میں ہیں۔ اور بینا اقلیت میں ۔۳۔ اس دنیا کی منڈی میں نقصان اٹھانے والے اکثریت میں ہیں۔ اور نفع اٹھانے والے اقلیت میں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عقل مند' بینا اور نفع اٹھانے والا بنائے۔ اور پاگل ' نابینا اور خائب و خاسر ہونے سے بچائے۔ (آمین یا الہ العالمین۔)

اس دنیا کی منڈی میں خائب و خاسر ہونے والوں کی اکثریت ہے۔ جمعہ کے دن آپ سب آزاد ہوتے ہیں۔ ایک میں ہی پابند ہوتا ہوں ۔ اب تو لکھ کر لاتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات اس سے پیشتر گھنٹوں قرآن مجید کی ورق گردانی کرتا رہتا تھا۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کپڑے بدل کر چلنے کے وقت تک کوئی موضوع سمجھ میں نہیں آتا تھا اس وقت جان مخمصہ میں ہوتی ہے۔ ادھر لوگ منہ کو دیکھتے ہیں۔ ادھر اللہ کا ڈر۔ ادھر یہ منبر حضور ﷺ کے منبر کی نقل ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کا خیال۔

پہلے انبیاء کے حضور میں ان کی امتوں کے اعمال پیر اور

جمعرات کے روز پیش ہوتے تھے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت کے اعمال
آپ ﷺ کے حضور میں روزانہ پیش ہوتے ہیں۔ یہی
خیال آتا رہتا ہے کہ کہیں ایسی کوئی بات نہ منہ سے نکل
جائے کہ حضور ﷺ ناراض ہو جائیں۔ یہ اللہ کا فضل
ہے کہ کام چل رہا ہے۔ وہی دل میں ڈالتا ہے۔ یہاں وہاں لا
کر بٹھاتا ہے۔ اور وہی زبان سے کہلواتا ہے۔

۱۔ عقل مند کون ہیں:۔

قولہ تعالیٰ: اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ
عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ
فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(سورۃ آل عمران رکوع نمبر ۲۰ پارہ نمبر ۴)

ترجمہ: عقل مند وہ ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ
تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔ کھڑے بھی، اور بیٹھے بھی، اور لیٹے
بھی، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے
ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا

نہیں کیا تو پاک ہے۔ سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

یہ عقل مندوں کی صفات ہیں۔ وہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے غرضیکہ ہر حالت میں اللہ کے ذکر میں شاغل رہتے ہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" وہ اس جہان کی ہر چیز کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے ہیں۔ صوفیاء کرام کی ایک قسم حائرین کی ہے۔ حائر حیران سے ہے۔ ان کی نظر جس چیز پر ٹک گئی وہ حیران ہو کر اس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قربان ہوتے رہتے ہیں۔

باغ میں چلے جائیے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب عجیب کرشمے نظر آئیں گے ایک ہی زمین ہے لیکن اس میں سے گلاب کی جڑ سرخ رنگ اور گیندے کی زرد رنگ اور موتیئے کی سفید رنگ کھینچ کر لاتی ہے۔ پھر اور کمال دیکھئے کہ ہر ایک کی جڑ علیحدہ علیحدہ خوشبو زمین سے حاصل کرتی ہے۔

حائرین اسی میں محو حیرت ہو کر بیٹھے رہتے ہیں۔ اب اس آئینے میں سب کا منہ دیکھئے۔ کہ کتنے عقل مند اور کتنے پاگل ہیں۔ دراصل انسان بھی بے کار نہیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ

عَبَثاً وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ

انسان کی بھی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ سارے جہان کی چیزیں اللہ نے انسان کے لیے بنائی ہیں۔ هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً اور انسان اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے۔ عقل مند وہ ہیں جو مقصد تخلیق کو سمجھتے ہیں۔

حضرت دین پوری رحمہ اللہ نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ بیٹا بیت الخلا میں بھی ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہونا چاہئے تفصیل کا یہاں موقع نہیں صرف اشارہ کر دیتا ہوں کہ جب سب لطائف چل نکلیں تو بیت الخلاء میں بھی وہ خود بخود جاری رہیں گے۔ اور وہاں بھی نہ رکیں گے۔ گھڑی کی مشینری جب چلتی ہے تو ہر حالت میں چلتی رہتی ہے۔ خواہ انسان کسی جگہ ہو۔

۲۔ پاگل کون ہے۔؟

پاگل وہ شخص ہے کہ جو کرنا ہے وہ تو ہرگز نہ کرے اور جو نہی کرنا وہ ضرور کرے۔ پاکستان میں ایسے آدمی بکثرت

پائے جاتے ہیں۔ جو دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ زنا، شراب، سینما اور ڈانس ان کا مشغلہ ہے۔ نماز کے قریب بھی نہیں جاتے جب نماز کے متعلق ان سے کہا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ تساں نماز نال کی بنالیا؟ (آپ نے نماز سے کیا بنا لیا) ہم نے نماز سے وہ کچھ بنالیا۔ جس کی تمہیں سمجھ نہیں۔

گھوڑے کو پہلے تو کھلاتے پلاتے ہیں۔ اور پھر اس کو تانگے میں جوتتے ہیں۔ اس طرح گائے بھینس وغیرہ کو پہلے چارہ کھلاتے ہیں۔ اور پھر دودھ دوہتے ہیں۔ لیکن انسان سمجھتا ہے کہ کھانے پینے کے بعد میں سینما اور ڈانس کے لئے فارغ ہوں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ کما کرلانے کے بعد اللہ اللہ کرتے۔ لیکن یہ پاگل اس وقت فضول باتوں میں وقت ضائع کرتے ہیں۔ بیوی خوبصورت ہو اور نئی شادی ہوئی ہو تو دفتر میں بیٹھے بھی بیوی یاد رہتی ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کا ذکر بکثرت کیا جائے تو پھر خود بخود قلب چل نکلتا ہے۔ اللہ کے ذکر کے لئے تسبیح کا ہونا ضروری نہیں۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے گلے میں ''انگریز'' لعنت کا طوق ڈال گیا۔ جو ان کو ذکر الٰہی کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ یہ ان

کو "بے ایمان" کہتے ہیں۔

پہلی قوموں نے بھی ہادیوں کا مذاق اڑایا اور اسی گناہ کے باعث تباہ ہو گئیں۔ گاریگر ہی بتا سکتا ہے کہ اس نے مشین کیوں بنائی ؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو کہ انسان کا خالق ہے۔ وہ اس کی تخلیق کی غرض جانتا ہے۔ اسی سے پوچھنا چاہئے کہ اے اللہ ! تو نے مجھے کیوں بنایا؟

۳۔ اندھا کون؟

اندھے اکثر بینا کوئی ۔ جس "احکم الحاکمین" نے سب کچھ بنایا ہے اس کا انکار یا اس کا شریک بنانا یہ اندھا پن ہے۔ فرشتہ خود مخلوق ہے خالق وہی ہو سکتا ہے جو لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ (نہ کسی کو جنے نہ وہ جنا گیا ہو) مشرک، کافر اور نفاق اعتقادی کے منافق اندھے ہیں۔ بینا وہ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اگر انسان سات کوٹھڑیوں میں مقفل ہو کر نیکی یا گناہ کرے گا تو اس کی نیکی کی جزا گناہ کی سزا مل جائے گی۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کس نیکی کی جزا اور کس گناہ کی سزا ملی ہے۔ جو بینا ہیں۔ ان کے ہاتھ اللہ کے سوا کسی کے سامنے

نہیں اٹھتے۔ وہ اللہ کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ وہ ہر ضرورت کے لئے اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

اندھا ٹاک ٹوئیاں مارتا ہے مگر راستہ سجھائی نہیں دیتا۔

فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور اندھے وہ ہیں جن کو معرفت الٰہی نصیب نہیں۔ وہ ہر چیز کو اپنی عقل پر پرکھتے ہیں ان کے نزدیک قرآن کے سود کے متعلق احکامات قابل اعتراض ہیں۔ وہ پردے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ نفاق اعتقادی کے منافق ہیں۔ کھرا ایمان یہ ہے کہ عقل میں آئے یا نہ آئے۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان پر دل سے مہر تصدیق لگائی جائے۔ سورۃ المومنون رکوع نمبر ۶ پارہ نمبر ۱۸ میں اللہ تعالیٰ اندھوں کے متعلق فرماتے ہیں:-

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ○ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ○ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ○ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ○ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونَ ○

اکثریت اسی کھاتے میں آتی ہے۔ وہ یہ خائب و خاسر ہیں۔ اسی میں مردوں اور عورتوں دونوں کی اکثریت ہے۔ مردوں کو تجارت، میں سب کچھ پیارا ہے نہیں پیارا تو اللہ کا نام۔

رنگی کو نارنگی کہیں دودھ کڑھے کو کھویا
چلتی کو گاڑی کہیں، دیکھ کبیرا رویا

جن کے اندر ایمان ہے ان کو "بے ایمان" کہتے ہیں۔ یہ رنڈی باز اور شرابی ایمان دار ہیں؟ مرنے کے بعد پتہ چلے گا۔ پھر کہیں گے "اے اللہ ہمیں ایک دفعہ پھر لاہور بھیج دے"۔ لیکن لاہور تو غرق ہو چکا ہو گا۔ یہ عمر کی پونجی برباد کرنے والے ہیں۔

بندہ آمد از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

اس کا پروگرام قرآن ہے اور عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اور آپ کو عقل مندوں، بینا اور نفع اٹھانے والوں کی فہرست میں شامل فرمائے۔ (آمین) اس کا طریقہ یہ ہے کہ تعلیم ہو قرآن کی اور سامنے حضور کی سنت ہو۔ اور اللہ والوں کی، جن کا یہ حال ہے صحبت ہو۔

موتی ملنے ارزاں لیکن اللہ والے ملنے اس سے بھی گراں۔ موتی تو کافروں کے گھروں میں بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ والے مسلمانوں میں بھی اللہ نے بیج کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ انہی کی برکت سے اسلام زندہ اور تابندہ ہے۔ قَولاً" فِعلاً" صُورَتاً" سِیرَتاً" ظَاہِراً" بَاطِناً" عِلماً" عَمَلاً" ان سب عنوانات کے ماتحت اللہ کے بندے موجود ہیں۔ من جد وجد (جویندہ یابندہ) جس نے کوشش کی اس نے پالیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس جماعت میں شریک فرمائے۔

(آمِین یَا اِلٰہَ العَالِمِین)

۲۶ جمادی الاخری ۱۳۷۵ھ بمطابق ۹ فروری ۱۹۵۶ء

مصائب میں خدا پرستوں کا مسلک

ذکر جہر کے فائدے" میں بارہا عرض کر چکا ہوں۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے ذاکر و ساوس ' خطرات سے بچا رہتا ہے۔ لیکن ذکر جہر حد سے زیادہ زور سے نہین کرنا چاہیے۔ بعض احباب مجھ سے ملنے آتے ہیں ان کو علم نہیں ہوتا اس لئے وہ زیادہ بلند آواز اور زور سے ذکر کرتے ہیں۔ پرانے احباب کو چاہیے کہ ان کو سمجھا دیا کریں۔

میری آج کی معروضات کا عنوان یہ ہے۔

مصائب میں خدا پرستوں کا مسلک

دنیا میں کوئی شخص من کل الوجوہ آرام پا ہی نہیں سکتا

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (سورۃ البلد پارہ نمبر ۳۰) ترجمہ: ہم نے انسان کو تکلیف اٹھانے کے لئے پیدا

کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ پاک سب سے زیادہ با اخلاق اور مقبول بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں۔ وہ کسی کو نہیں ستاتے۔ ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حدیث شریف: عَنْ سَعْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ (الحدیث) (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ سخت تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انبیاء علیہم السلام' پھر وہ لوگ جو ان کے مشابہ ہوں' پھر وہ لوگ جو ان کے مشابہ ہوں۔

سب سے زیادہ مصائب انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں ۔ اس کے بعد جو شخص جتنا مرتبہ میں ان کے قریب ہو گا اتنا ہی وہ مصائب کا شکار ہو گا۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے

ہیں۔ لیکن مصائب ان پر بھی آتے ہیں۔

انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خدا پرست (۲) نفس پرست۔ مصائب میں دونوں مبتلا ہوتے ہیں۔ نفس پرستوں پر مصائب ان کی اپنی شامت اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (سورۃ الشوریٰ رکوع نمبر۴ پارہ نمبر۲۵)

ترجمہ: اور جو مصیبت تم پر آتی ہے سو وہ بدلہ ہے جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے (اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ)

مصائب خدا پرستوں پر بھی آتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام خدا پرستوں کے امام ہوتے ہیں۔ وہ چوں کہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان پر مصائب کا آنا ان کی شامت اعمال کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ مصائب قرب الی اللہ میں ان کی ترقی درجات کا باعث بنتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کی تکالیف کے متعلق سورۃ آل عمران رکوع نمبر۱۵ پارہ

نمبر۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ترجمہ: اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہں بہت خدا کے طالب۔ پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں۔ اور نہ سست ہوئے اور نہ دب گئے ہیں۔ اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے۔ اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کاموں میں۔ اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور مدد دے ہم کو کافروں کی قوم پر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا دنیا کا ثواب اور خوب ثواب آخرت کا۔ اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "امثال عبرت کے لئے ہوتی ہیں" ان آیات میں امت محمدیہ ﷺ کو سبق دیا جا رہا ہے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ کرام نے اللہ کی راہ میں جہاد کئے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے ان کو جو تکالیف پہنچیں اس پر نہ وہ ہارے نہ سست ہوئے اور نہ دبے۔

اللہ تعالے مجھے اور آپ کو پہلے سوچ سمجھ کر اپنا صحیح مسلک متعین کر لینے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین یا الہ العالمین) صحیح مسلک ہے کتاب و سنت پر خود عمل کرنا اور دوسروں کو عمل کی دعوت دینا۔ اسی طریقہ سے ہم تک دین پہنچا ہے۔ پارہ نمبر ۳۰ کی ایک چھوٹی سی "سورۃ والعصر" میں اللہ تعالیٰ نے زندہ قوموں کے لئے چار اصول بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ ایمان یعنی اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے ہر ارشاد پر دل سے مہر تصدیق لگانا۔ ۲۔ ان ارشادات کو عملی جامہ پہنانا۔ ۳۔ تواصی بالحق یعنی دوسروں کو اس دائرہ حق میں لانے کی کوشش کرنا۔ ۴۔ اس دعوۃ الی الحق میں جو مصائب آئیں

اس میں تواصی بالصبر کرنا۔ یعنی تکالیف میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ سے دین سیکھا اور اس کو آگے پہنچایا۔ اسی طرح دین زندہ رہ سکتا ہے۔ کہاں مدینہ منورہ اور کہاں کابل، کابل میں آج تک ایسے دو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارات موجود ہیں۔ میں نے ان کی زیارت کی ہے۔ یہ مزارات دو پہاڑیوں کے درمیان ہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کابل نے بغاوت کی تھی۔ پھر حضرت عثمان ﷺ کی خلافت کے زمانہ میں اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے صحابہ کرام کا لشکر مدینہ منورہ سے آیا تھا۔ فتح اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو دین سکھایا۔ اسی طرح الی یوم ہذا مفسرین، محدثین علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے ذریعہ دین ہم تک پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین۔)

یہ مت سمجھئے کہ دین دار ہونے کے بعد تکلیفیں نہیں آئیں گی۔ بلکہ دیندار ہونے کے بعد تو تکالیف زیادہ آتی

ہیں۔ سورۃ الحج رکوع نمبر۲ پارہ نمبر۱۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ الْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ

ترجمہ: ''لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی اوپر کنارے کے۔ پس اگر پہنچے ان کو بھلائی آرام پکڑے ساتھ اس عبادت کے اور اگر پہنچے اس کو فتنہ تو پلٹ جاوے اوپر منہ اپنے کے جس سے دنیا اور آخرت دونوں کو کھو بیٹھے یہی کھلا نقصان ہے۔''

کتاب و سنت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مُرْسَلاً'' قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ رَسُوْلِهٖ (رواہ فی الموطاء)

ترجمہ: مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطریق مرسل بیان کرتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میں نے تم میں دو

چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہی صحیح راستہ ہے اس کے علاوہ باقی سب راستے غلط ہیں۔ اسی لئے میں آپ سے ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ اگر کھرا دین چاہئے تو مدینہ سے لائیے۔ اگر آپ لاہور سے اوپر جائیں گے تو راستہ میں ہی ڈوب مریں گے۔ عام طور پر سجدے کو جائز قرار دینے والے' لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ "صرف وہابی کہتے ہیں کہ قبور پر سجدے نہیں ہونے چاہئیں۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ خواجہ علی ہجویری رحمہ اللہ ' شاہ محمد غوث رحمہ اللہ 'حضرت میاں میر رحمہ اللہ کے مزارات پر سجدے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کتاب و سنت کے اتباع میں استقامت عطا فرمائے۔

اس کے بعد مصیبتیں آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ مصائب میں بھی استقامت عطا فرمائے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کے صحابہ کرام نے انبیاء علیہم السلام کی معیت میں جہاد کیا۔ جب ان کو تکلیف پہنچی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کو یاد

کر کے معافی کی درخواست کی۔ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ اِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم سے کوئی گناہ ہو گیا ہو گا جس کی سزا مل رہی ہے۔ جیسے فارسی میں کسی نے کہا ہے "کہ آنچہ برما است از ماست" وہ اللہ تعالیٰ کو ظالم نہیں بناتے۔ اس کے بعد ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ و ثبت اقدامنا ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے گناہوں کے باعث بزدل ہوں" اس لئے ہمیں میدان جنگ میں ثابت قدم رکھ۔ جہاد میں بھی تکالیف آتی ہیں۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کر رہے ہیں۔ کہ تیری مرضی کے خلاف کوئی بات ہو گئی ہے جس کی ہمیں سزا مل رہی ہے۔

اشاعت دین فرض کفایہ ہے اس میں ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق حصہ لے سکتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص ناظرہ قرآن پاک پڑھا سکتا ہے تو وہ ناظرہ پڑھا دے۔ دوسرا اگر قرآن کا ترجمہ پڑھا سکتا ہے تو وہ ترجمہ پڑھا دے جو ان میں سے کوئی کام نہیں کر سکتے وہ کسی ایسے قسم کا کام کرنے والے کے دست و بازو بن جائیں۔ جس کام میں آپ کسی کا ہاتھ

بتائیں گے اسی میں آپ کا حصہ ہو گا۔ سورۃ البقرہ رکوع نمبر ۳۷ پارہ نمبر ۳ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

: لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

اللہ کے راستے میں بھی تکالیف آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو شامت اعمال سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یا الہ العالمین)

اگر کسی کامل سے تعلق ہو اور انسان کے آزمائش کے موقع پر قدم پھسلنے لگیں تو کامل تھام لیتا ہے۔ ایک جنگ میں صحابہ کرام کے قدم اکھڑ گئے وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کرتے ہیں نَحْنُ الْفَرَّارُونَ (ہم بھاگنے والے ہیں) آپ نے ان کو تھام لیا ان کو تسلی دی اور فرمایا لَا بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُونَ (نہیں بلکہ تم پھر لڑنے کے لئے واپس جانے والے ہو) غزوہ احد میں بھی

بھاگ نکلے تھے۔ غلطی ان کی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو تھام لیا۔ یا فدائیت کا دعویٰ یا میدان جنگ سے فرار، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو نہیں جتلاتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس شفقت کی ان الفاظ میں تعریف فرماتے ہیں۔ "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ"

اب بھی یہی ہو گا۔ پنجابی میں کہتے ہیں یا "خود مرد ہووے یا مرد دے سایہ ہیٹھ رہے" (یا تو خود مرد ہو یا مرد کے سایہ کے نیچے رہے)۔ میں اس کے مقابلہ میں کہا کرتا ہوں۔ یا تو انسان خود صاحب استقامت ہو یا کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔ ورنہ ہروقت پھسلنے کا خطرہ ہے۔ تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں کئی پھسل گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔ (آمین یا الہ العالمین)۔ نیت نیک ہو، رضائے الٰہی مقصود ہو، اور طبیعت میں جدت نہ ہو اس قسم کا صاحب استقامت انسان کتاب و سنت کے مقابلہ میں دس کروڑ علماء کی بھی پرواہ کے نہ کرے گا جو کتاب و سنت کے مخالف ہوں۔

باطل حملہ آور ہوتا ہے۔ حق پرست خم ٹھونک کر

مقابلہ میں آتے ہیں۔ انہیں حضرات کی برکت سے آج بھی اسلام زندہ اور تابندہ ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص "موری دروازہ" سے میرے پاس آیا۔ اور اس نے ایک برات کا واقعہ سنایا۔ وہ برات شیرانوالہ دروازہ سے گئی تھی۔ باجہ ساتھ نہ تھا ایک جگہ لوگ ٹولیاں بن کر باتیں کرنے لگے۔اس کا بیان ہے کہ میں بھی ایک ٹولی کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ وہابیوں کا بیڑا غرق ہو جائے۔ انہوں نے باجہ بھی اڑا دیا۔گویا باجہ بھی جزو دین ہے۔ دیندار ہونے کے بعد کافر تو بعد میں مقابلہ میں آئے گا' پہلے بیوی اولاد اور برادری دشمن ہو گی۔ اور اللہ تعالیٰ استقامت دے تو اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مقصد یہ ہو کہ دین زندہ رہے اگر اس کے لئے جیل بھی جانا پڑے تو یہ بھی گوارا ہو۔ کیا چور جیل نہیں جاتے ؟۔ ہم دین کے لئے چلے گئے تو کیا ہوا۔

خدا پرستوں کو نفس پرست خواہ مخواہ ستاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام تو کسی کو نہیں ستاتے۔ لیکن لوگ ان کو بھی تکالیف پہنچاتے ہیں۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ موسیٰ علیہ

السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کی درد بھرے الفاظ میں شکایت فرماتے ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَا تُؤْذُوْنَنِیْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ (سورۃ الصف رکوع نمبرا پارہ نمبر۷)

اللہ تعالے مجھے اور آپ کو کتاب و سنت کے راستہ پر قائم رکھے۔ اور اس راستہ پر چلنے میں جو تکالیف بھی آئیں ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمِیْن یَا اِلٰهَ الْعَالَمِیْن)۔